کلیاتِ شیفتہ و حسرتی

جس میں

دیوان ریختہ و دیوان فارسی و لغات فارسی شامل ہیں

از تصنیفات جناب غفران مآب نواب اعظم الدولہ سرفراز الملک
محمد مصطفیٰ خاں صاحب مظفر جنگ دہلوی متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

مع دیباچہ و سوانح عمری مصنف

از خاکسار نظامی بدایونی

حسب فرمائش جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب بہادر [illegible]
[illegible] آنریری سکریٹری ایم اے او کالج علیگڑھ [illegible]
[illegible] خلف الصدق حضرت مصنف علیہ الرحمہ

باہتمام نظام الدین حسین نظامی پروپرائٹر و پرنٹر

نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا

سنہ ۱۹۱۶ء

حضرت شیفتہ کے مختصر حالات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس طرح زمانے کی ہوا پلٹ جانے سے ملک کے لوگوں کے خیالات خصائل، عادات، مشاغل، طریق بود و ماند، لباس و خوراک میں تغیر واقع ہوگیا ہے اسی طرح ان کا علمی مذاق بھی بدل گیا ہے تیرھویں صدی کے وسط میں۔ اُردو اور فارسی ادب میں جن لوگوں نے چار چاند لگائے تھے آج اُن کے کلام کے سمجھنے والے بھی نظر نہیں آتے ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، صہبائیؔ، علویؔ، آزردہؔ، حسرتیؔ اُن باکمال لوگوں میں ہوئے ہیں کہ جن پر آج ہندوستان جسقدر فخر کرے کم ہے اور اب اس گئے گزرے زمانہ میں ان بزرگوں کا نام زندہ رکھنے والے حالیؔ اور شبلیؔ باقی تھے وہ بھی ایک ایک کرکے دُنیا سے اُٹھ گئے۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو یہی وہ لوگ ہیں جن کو حیات جاوید حاصل ہے ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعلم ✤ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام شاں[1]

---

[1] ایک موقع پر خواجہ حافظ کے اس شعر کو سرسید مرحوم نے کچھ تصرف کے ساتھ لکھا تھا ہم نے بھی انھیں کا تتبع کیا ہے ۱۲

اُن کا کلام جو اعلیٰ اخلاق اور سچّے جذبات سے پُر ہے جس سے ان کے دل و دماغ کے صحیح ہونے کا پتا چلتا ہے اور اُن کی بلند نظری اور غوص و فکر وغیرہ کی حالت کا اندازہ ہوتا ہے اس وقت بھی ملک کے لیے ویسا ہی سرمایۂ افتخار ہے جیسا کہ آج سے پچاس ساٹھ برس قبل تھا۔ اس مختصر تمہید کے بعد جو دیوان آپ کی نظر سے گزرے گا وہ جناب غفران مآب نواب محمد **مصطفیٰ خاں** صاحب مرحوم و مغفور رئیس دہلی و تعلقہ دار جہانگیر آباد ضلع بلند شہر المتخلص بہ شیفتہ بہ اُردو و حسرتی بہ فارسی) کا کلیات ہے جس کی اشاعت کا فخر ہمیں نواب صاحب مرحوم کے خلف الرشید عالی جناب نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ریٹائرڈ جج صوبہ متحدہ و آنریری سکرٹری ایم اے او کالج علی گڑھ کی کرم گستری و اجازت سے حاصل ہوا ہے۔ چونکہ کسی شاعر کے کلام کے مطالعہ سے قبل اُس کی زندگی کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا ایک حد تک ضروری ہے اس لیے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نواب صاحب مرحوم و مغفور کے حالات زندگی اس موقع پر مختصراً درج کریں۔

خاندان نواب محمد مصطفیٰ خاں مرحوم نواب عظیم الدولہ سرفراز الملک نواب مرتضیٰ خاں صاحب بہادر مظفر جنگ کے فرزند تھے۔ اور نواب [illegible] علی داد خاں

مرحوم خاندان بنگش سے تھے جبکہ دہلی میں خاندان بنگش کا عروج تھا وہ کوہاٹ سے دہلی تشریف لائے اور اپنے صاحبزادہ نواب مرتضےٰ خاں صاحب کی شادی اُس زمانہ کے مشہور سپہ سالار اسمٰعیل بیگ خاں ہمدانی کی صاحبزادی نواب اکبری بیگم صاحبہ سے کی۔ اور جو فوج مرہٹوں سے اُس وقت برسرپیکار تھی اُس میں عہدہ دار ہوئے۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک نے دہلی میں انگریزی سلطنت کی بنیاد قائم کی۔ اُس وقت نواب مرتضیٰ خاں صاحب کو لارڈ موصوف نے دہلی کے قریب ہوڈل پلول کا علاقہ بطور جاگیر عطا کیا۔ اس دور میں جو سات رئیس با اختیار بنائے گئے تھے منجملہ اُن کے نواب مرتضیٰ خاں صاحب بھی تھے۔

سنہ ۱۸۱۴ء میں نواب ممدوح نے جہانگیر آباد کا علاقہ جو پہلے راجہ کھودس رائے کی ملکیت تھا اور بعلّت عدم ادائے مالگذاری نیلام ہوا خرید لیا اور گورنمنٹ سے سند تعلقہ داری عطا ہوئی۔ نواب صاحب کی رحلت کے بعد ہوڈل پلول کے علاقہ کو گورنمنٹ نے واپس لے لیا اور اُس کے عوض میں اراکین خاندان کی پنشن مقرر کر دی جو غدر سنہ ۱۸۵۷ء تک جاری رہی۔

نواب مرتضیٰ خاں صاحب نے جہانگیر آباد کا علاقہ اپنی حیات میں صاحبزادہ

مصطفےٰ خاں کے نام منتقل کر دیا تھا جو اُن کے بعد اُن کی اولاد کی ملکیت میں آیا اور اس وقت تک قائم و برقرار ہے۔

ولادت نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب کی ولادت ۱۸۰۶ء میں بمقام دہلی ہوئی۔

تعلیم و تربیت میاںجی مالا مال[۵۱] سے جو دہلی کے ایک مشہور بزرگ اور سربرآوردہ معلمین میں تھے فارسی، عربی پڑھی اور علوم مروجہ حاصل کیے۔
حضرت مولانا حاجی محمد نور دہلوی[۵۲] نقشبندی سے بھی جو جامع علوم ظاہر و باطن تھے خاصکر فن حدیث و تجوید میں اُس وقت اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا آپ نے حدیث و قرات کا استفادہ حاصل کیا۔ علوم دین سے آپ کو ایسا شوق و شغف تھا کہ طلب کی تشنگی کسی وقت فرو نہ ہوتی تھی۔
۱۲۵۵ھ میں جب کہ آپ کو حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی مکہ معظمہ

---

۵۱ میاںجی صاحب کا مزار دہلی میں حضرت سلطان الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں نواب صاحب کے سرہانے ایک چھوٹے چبوترہ پر واقع ہے۔

۵۲ حاجی محمد نور صاحب کا مزار سورت میں ہے جب آپ دوبارہ بارادۂ حج جارہے تھے راستہ میں بمقام سورت شعبان ۱۲۵۲ھ میں وصال ہوا۔

کے فاضل اجل عالم باعمل حضرت شیخ عبد اللہ سراج حنفی سے آپ نے صحاح کے ابتدائی حصے تبرکاً پڑھے تھے جبتک مکہ معظمہ میں قیام رہا آپ برابر اُن سے فیض حاصل کرتے رہے۔ مدینہ منورہ میں شیخ محمد عابد صاحب سندھی سے اکثر حدیث کی کتابوں کے خاص خاص مقامات پڑھے اور روایت کرنے کی اجازت حاصل کی۔ ان کے علاوہ مولوی کرم اللہ[۵۱] صاحب محدث علیہ الرحمہ سے جو خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی قدس سرہٗ کے تھے آپ نے کچھ علوم پڑھے تھے۔

عادات وخصائل وطریق ماند وبود

نواب صاحب[۵۲] مرحوم رات کو باختلاف موسم دو بجے سے ۳ بجے تک تہجد کے واسطے بیدار ہوتے تھے اور نماز تہجد اور صبح کے درمیان مسنون قیلولہ کے بعد صبح کی نماز مسجد میں جاکر سفر ہو یا حضر اول جماعت کے ساتھ ادا کرتے تھے اور اکثر مسجد سے واپس آکر اشراق تک وظائف واذکار ختم کرتے

---

۵۱ از ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین مصنفہ حضرت مولانا شاہ محمد معصوم صاحب مجددی مقیم مدینہ شریف ۱۲

۵۲ یہ حالات ہمیں مولانا فرحی صاحب سے جنکا مقام رامپور ہے ماہ اپریل ۱۹۱۵ء میں اُن سے ملاقات کا فخر حاصل ہوا تھا دستیاب ہوئے مولانا موصوف کو سنہ ۱۸۶۱ء سے سنہ ۱۸۶۹ء تک نواب صاحب کی خدمت میں مسلسل رہنے کا اتفاق ہوا تھا ۱۲

کے بعد متعلقین سے ملتے تھے وس بجے کھانا تناول فرما کر قدرے قیلولہ فرماتے تھے اسی کے بعد ظہر سے پہلے پہلے حدیث شریف یا تصوف یا سیر کی کسی کتاب کا مطالعہ بھی فرما لیتے تھے۔ اول وقت ظہر کی نماز مسجد میں جا کر جماعت اولے کے ساتھ پڑھتے تھے اسی طرح عصر اور مغرب کی نمازیں اول وقت ادا فرماتے تھے۔ عشا کی نماز کے بعد رات کا کھانا تناول کر کے بلا فصل استراحت فرماتے تھے بیماری کی حالت میں جبکہ راتوں کو نیند کم آتی تھی دیگر امرا کی طرح داستان یا قصے نہیں سنتے تھے بلکہ کسی کتاب سے حمد و نعت مناجات یا منقبت اہل بیت پڑھوا کر سنتے اور سو جاتے۔

عصر اور مغرب کے درمیان مصاحبین و اکابر مہمانوں سے جو آپ کی مہمان نوازی کے سبب اکثر موجود رہتے تھے صحبت رہتی تھی۔ مصاحبت میں مولانا حالی مرحوم جیسے لوگ ہم صحبت تھے۔ نواب مرحوم اسقدر کم گو تھے کہ ابتدائے ملاقات میں نئے آدمی کو خود داری کا گمان ہوتا تھا لیکن اُن کے جلسہ میں کسی ادنے یا اعلے کی غیبت کا گزر نہ تھا اُن کی صحبت متین اور مہذب ظرافت اور لطیفوں سے خالی نہ تھی یعنی زہد خشک سے جو ریا کے درجہ تک پہنچتا ہے بری تھی دینی و دنیوی جو بات تھی بناوٹ اور تصنع سے کوسوں دور تھی۔

نواب صاحب کا اصول تھا کہ تمام خطوط کا جواب فوراً دیا جائے چنانچہ جو خطوط
آپ کے پاس آتے تھے اُن کا جواب ہر روزہ لکھوا دیتے تھے جس زبان
میں خطوط آتے تھے اُسی زبان میں جواب لکھواتے فارسی خطوط کا جواب
فارسی میں اُردو خطوط کا اُردو میں جواب دیتے تھے۔ آپ اپنے پیش دست
کو عبارت خطوط کی خود نہیں لکھواتے تھے بلکہ وہ خط لکھکر پیش کرتا آپ
اس کی اصلاح فرما دیتے تھے اصلاح کے بعد خطوط صاف کیے جاتے تھے۔
ایک زمانہ تک خطوط نویسی کا کام نواب صاحب اپنے بڑے صاحبزادہ نواب
محمد علی خاں صاحب سے لیتے رہے جس سے صرف اُنکی تربیت و تعلیم
مقصود تھی مولانا فرحتی صاحب نے بھی جب مولانا موصوف جہانگیر آباد میں طالب علمی
کے زمانہ میں موجود تھے نواب صاحب کی خدمت کو انجام دیا ہے۔
مولانائے موصوف فرماتے تھے کہ "نواب صاحب مرحوم ہمارے لکھے
ہوئے خطوط کی اصلاح میں محاورات زبان اور املا کا بے حد خیال فرماتے
تھے یہاں تک کہ اگر کبھی میں لفظ "تم نے" کو ملا کر تمنے لکھدیتا تو اُس کو
کاٹ کر "تم نے" لکھدیتے" گویا آپ ہر لفظ کو علٰحدہ علٰحدہ لکھنے کے حامی
تھے اور اُردو املا کے اس رسم خط کی ضرورت کو جسے آج کے مصلحان اُردو رائج

کرنا چاہتے ہیں آپ آج سے پچاس برس پہلے محسوس کر چکے تھے۔

نواب صاحب کا خط نہایت پاکیزہ تھا قلم کاغذ کیسا ہی خراب ہو مگر معلوم ہوتا تھا کہ مینا کیا ہوا ہے۔ باوجود خوشخط ہونے کے اپنے ہاتھ سے قلم نہیں بناتے تھے۔

جوانی میں آپ کو گھوڑے کی سواری کا بہت شوق تھا۔ پیرانہ سالی کے زمانہ میں بھی اسی شوق کے یادگار کے طور پر ان کا اصطبل گھوڑوں سے معمور رہتا تھا۔

بزرگوں سے عقیدت وبیعت سب سے پہلے قدوۃ الاصفیا شیخ الفقہا سید المحدثین مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب سے جو شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کے نواسے اور دہلی کے مشہور محدث اور اکابر شیوخ سے تھے بیعت کی۔ ان کے وصال کے بعد شاہ ابوسعید صاحب اور شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین سجادہ نشین حضرت شاہ غلام علی صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ فیوض باطنی کرتے رہے۔ آخر میں حضرت شاہ عبدالغنی صاحب دہلوی قدس سرہ العزیز سے تجدید بیعت فرمائی۔ شاہ صاحب نے آپ کو سلسلہ علیہ نقشبندیہ میں سند خلافت بھی

عطا کی تھی۔ شاہ صاحب موصوف اُن کو اپنے خلفاء[۵۱] سے اجل سے سمجھتے تھے اور اپنے مریدین کو تکمیل کے واسطے نواب صاحب کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے۔

نواب صاحب شب و روز مجاہدے اور ریاضت میں بسر کرتے تھے آپ کا کشفِ قبور اس وقت مشہور تھا اور نسبت نقشبندیہ زبردست تھی۔ مولانا ولی النبی صاحب رامپوری جو خاندان نقشبندیہ کے صاحب کمال بزرگ تھے فرماتے

---

۵۱ شاہ صاحب کا مندرجہ ذیل خط قابل ملاحظہ ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم از عبدالغنی عمیم الاحسان نواب محمد مصطفےٰ خاں صاحب۔ سلام مطالعہ فرمایند۔ تاشانزدہم محرم الحمد للہ بخیر ہستم وسلامتی ایشاں مطلوب پیشتر بدست مومن علی خاں مکتوب فرستادہ ام امید کہ دعا در حق فقیر مبذول فرمودہ باشند۔ میاں اسد اللہ داخل طریقہ شدہ اند امید کہ برحال ایشاں عنایت مبذول دارند والسلام سلّم فرزند عزیزہ مع فرزندان سلام برسد میاں عزیز و میاں رشید سلام خوانند۔

ایک دوسرا خط بنام احمد جان صاحب دہلوی برادر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب کے نام شاہ صاحب نے بھیجا تھا جس سے ظاہر ہوگا کہ ان کے تعلقات نواب صاحب کے ساتھ کس درجہ کے تھے وہ خط یہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ از عبدالغنی برادر عزیز جان علیم اللہ خاں المشتہر بمیاں احمد خاں سلام خوانند و مکتوب آں مکرم فی الحال ورد کہ منظمہ رسید نداز مطالعہ او فرحت و حظ تام حاصل گشت الحمد للہ فقیر تاکتابت بخیر ہست و خیریت شما از مصائب و این مطلوب۔ بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین از رحلت نواب مصطفےٰ خاں رحمۃ اللہ علیہ عزوجل چہ دو قہا بر دل ناتواں رسیدند ؎ من از چشم تو ای ساقی خراب افتادہ ام + اما بلائے کز حبیب آید ہزارش مرحبا گفتم۔
اما شاء اللہ تعالیٰ وایاکم فی حیبہ واحیانا وایاکم فی ودہ۔ چنانچہ از طرف ارشان وصی بر اہل و عیال ہستید از طرف من نیز شما وکیل ہستید۔ وکفیٰ باللہ وکیلا۔ عیال اوشان را عیال من شمارید و ذوقہا از صحبت اوشاں بردشتید و شوقہا از مجلس شان برخواستید۔ سیر گل سیر ندیدند و بہار آخر شد۔ از کیفیت ہائے خویش نوشتید بسیار ے محظوظ شدم۔ چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی + بیاد آر محبان بادہ پیما را۔
مخدوما۔ ولی بایل غیر است از وے چہ توقع خیر است در وحی کہ بایل بہ کہتر است نفس ابارا از وے بہتر است بلند نفس باشد بہر خسیس میل نہ نماید نسبتی مجدد نقشبندیہ اگرچہ قلیل باشد قلیل نیست کہ مقتبس از مشکوٰۃ سنت نبوی است و سنت موجب فخر ما گشتہ ؎ ما در کمیں جلوسے صید ہوس نشستہ ایم + گو طائفے کہ گرد فشاند بدام ما۔ والسلام
• ثمر ہدیہ ہمراہ مکتوب نواب محمد علیخاں در جہانگیر آباد فرستادہ ام (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۰ پر ملاحظہ ہو)

تھے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اپنے دہلی پہنچنے کی اطلاع نواب صاحب کو خط کے ذریعہ سے دی مگر اتفاق سے وہ خط کے پہنچنے سے پیشتر پہنچ گئے اور خط نواب صاحب کو ان کی موجودگی میں ملا۔ قبل اس کے کہ خط کو کھولیں یا پڑھیں اُن سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ "کیا آپ کو بھی اس وقت نسبت نقشبندیہ کی کچھ خوشبو آتی ہے۔ میرا دماغ تو اس خوشبو سے مالامال ہو گیا ہے۔"

مولانا حالی مرحوم کی زبانی نقل ہے کہ ایک بار نواب صاحب مولانا شاہ غوث علی پانی پتی کی زیارت کو پانی پت تشریف لے گئے۔ چند روز مولانا سے اوقات خاص میں صحبت رہی۔ وقت مراجعت و رخصت مولانا نے آپ سے مصافحہ کیا اور آپ کا ہاتھ ذرا زور سے دبایا۔ اسی طرح تین بار مصافحہ کیا۔ نواب صاحب فرماتے تھے کہ ہر بار میرے قلب میں ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی تھی جو بیان میں نہیں آسکتی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹) اگر حصہ خود بپایند بہن شیریں نمایند و تتبیع ہا اگر میاں ناصر وزیر بدہند در میان خود و میر عبدالرحمان و میر عوض علی و مولوی ولی النبی صاحب و ہمشیرہ عزیزہ اہل خانہ میاں امو جان غفر اللہ لہ تقسیم نمایند فلوس در مکتوب نوشتند تا ہنوز نرسیدہ اند۔ از عبدالرحمن و اسمٰعیل و ہمشیرہ با خوانند ہمہ ہا سلام۔ تمام شد

مذہب کا احترام اور شرعی پابندی

آپ نہ صرف صوفی باصفا تھے بلکہ عالم باعمل تھے۔ اپنے ذاتی فائدہ کے لیے کبھی کسی شرعی مسئلہ میں توجیہ وتاویل کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ مولانا حالی نے حیات جاوید میں آپ کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتے تھے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں :-

"ہم نے خود دیکھا ہے کہ نواب مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد ضلع بلند شہر کے پاس ایک موضع گرو تھا۔ بہت مدت کے بعد مالک نے اُس کو چھڑانا چاہا۔ ہر چند کہ رہن نامہ میں تمام منافع موضع مرہونہ کا مرتہن کو معاف ومباح کر دیا گیا تھا اور فک رہن کے وقت مالک بخوشی کل زر رہن ادا کرنا چاہتا تھا اور مفتیوں نے بھی اباحت کا فتوے دیدیا تھا لیکن اُس مرحوم مغفور نے یہ حدیث پڑھی کہ اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ اور جسقدر محاصل اُس موضع سے وصول ہوا تھا زر رہن میں سے سب مجرا دیکر باقی روپیہ راہن سے لے لیا۔ یہ بات دہلی میں آج تک مشہور ہے کہ حضرت شاہ عبدالغنی صاحب قدس سرہ اس احتیاط کے سبب کہ آموں کی فصل قبل پھل آنے کے عموماً فروخت ہو جاتی ہے جو شرعاً ناجائز ہے کبھی آم نہیں کھاتے

تھے۔ نواب صاحب نے اپنے علاقہ میں سختی سے اس شرعی احتیاط کو قائم رکھا تھا کہ جب تک کہ پورے طور پر پھل نہ آ جائے اُس وقت تک فصل فروخت نہ کی جائے چنانچہ اب تک وہ قاعدہ جاری ہی۔ اسی وجہ سے شاہ صاحب ہمیشہ جہانگیر آباد کا آم بغیر کسی عذر کے کھایا کرتے تھے۔

ورع و تقوے

جن ایام میں نواب صاحب باشتباہ بغاوت قید و بند میں مبتلا تھے ایک وصیت نامہ بنام مہین فرزند محمد علی خاں صاحب وغیرہم تحریر فرما دیا تھا اُس میں بنظر انتظام جملہ متعلقین و متوسلین کے لیے مقدار مصارف بالتفصیل معین کر دی تھی۔ دیون کے ادا کرنے کی تاکید تھی۔ بعد وفات قضا روزوں کے کفارہ ادا کرنے کی ہدایت تھی۔ ان وصایا کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہی کہ آپ احکام شرعی کی بجا آوری میں کیسے راسخ اور ثابت قدم تھے اور خدا کی ذات پر کسقدر بھروسہ رکھتے تھے۔ آپ نے اس وصیت نامہ میں منجملہ دیگر امور کے رمضان شریف کے روزوں کے قضا کا حساب اور اس کے کفارہ کے ادا کی تاکید جن الفاظ میں لکھی ہے وہ یہ ہیں

"میرے اوپر رمضان شریف کے روزے ہیں خوب یاد نہیں مگر احتیاطاً دس رمضان کے لکھ لینا جس کے دس مہینے ہوئے ہر روزہ کی بابت ایک شخص

مسلمان کو دو سیر گندم چاہئیں ۔ جس کے مہینہ کے ڈیڑھ من ہوئے تو دس مہینے کے پندرہ من ہوے ان کا دینا ضرور ہے مگر میری موت کے بعد کس واسطے کہ زندگی میں یہ کفّارہ ادا نہیں ہوتا پس جب میری موت کا حال سن لو جو شخص اس وقت میں زندہ ہو وہ پندرہ من گیہوں کہ ایک ایک فقیر کو دو دو سیر گیہوں دے"

سفرِ حجاز

نواب صاحب نے یہ مبارک سفر[۱] ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ کو شروع کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ اور چند متوسلین ہمراہ تھے۔ بمبئی تک منزل بمنزل خشکی کا راستہ طے کیا اثنا راہ میں اکثر بزرگان دین کے مزارات پر حاضری کا موقعہ ملا اور اکثر اہل اللہ سے قدمبوسی کا شرف حاصل ہوا جس کی تفصیل آپ نے اپنے سفر نامہ میں لکھی ہے۔ جس کا فارسی نام برہ آورد اور عربی میں ترعیب السالک الی احسن المسالک ہے جو اُن کی حیات میں طبع ہو چکا تھا ان ناگزیر مشکلات

---

[۱] آپ نے اپنا سفرنامہ جو درحقیقت اس مقدس سفر کا تاریخی روزنامچہ ہے نہایت تفصیل کے ساتھ شستہ فارسی میں مرتب فرمایا تھا۔ جس کا عربی نام ترعیب السالک الی احسن المسالک اور فارسی برہ آورد ہے۔ آپ کی زندگی میں شایع ہو گیا تھا۔ ۱۹۱۰ء میں اس کا اردو ترجمہ سید زین العابدین صاحب بی۔ اے منصرم عدالت ججی فرخ آباد نے شایع کیا جس کا نام سراج منیر ہے۔ یہ ترجمہ بہت مقبول ہوا اور ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گیا۔ نواب صاحب کی دیگر تصانیف کے سلسلہ میں اس کتاب کا ذکر بھی ملاحظہ ہو۔

کے علاوہ جو ۱۸۵۷ء سے قبل برّی و بحری سفر میں حجاج کو پیش آیا کرتی تھیں نواب صاحب مرحوم کو ایک ہولناک واقعہ پیش آیا کہ حدیدہ سے آگے چلکر جہاز چٹان سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا اور مسافر کشتیوں کے ذریعہ سے ایک ویران جزیرے میں اُتار دیے گئے۔ جہاز میں سے سامان خوراک بھی کم ملا اور آب شیریں کے صرف آٹھ پیپے ہاتھ آئے اور ہمراہی دو سو سے زائد تھے۔ ایک ایک پیالہ پانی ہر شخص کو صبح و شام پینے کے لیے ملتا تھا۔ چار دن کے بعد سب کے مشورے سے نو آدمی ایک چھوٹی سی کشتی میں بیٹھکر ساحل کی تلاش میں روانہ ہوئے وہ سات روز کے بعد ساحل بحر کی ایک بستی میں پہنچے اور اپنے قافلہ کی مصیبت بیان کی وہاں کے حاکم نے سات کشتیاں مصیبت زدوں کی امداد کے لیے بھیجیں۔ جب اس جزیرے کا پتہ نہ لگا تو پانچ واپس چلی گئیں۔ لیکن دو کشتیاں ہمت کرکے بحر عجم کی طرف بڑھیں جن کو یہ جزیرہ مل گیا۔ ان دو کشتیوں کو دیکھکر سب خوش ہوئے جتنے آدمی سما سکے ساحل کی طرف روانہ کیے گئے۔ مگر اس بُرے وقت میں نواب صاحب اُن لوگوں کے ساتھ رہے جو روانہ نہ ہوسکے تھے اور محض فضل خداوندی پر بھروسا کرکے اُسی ویرانے میں پڑے رہے چند روز کے بعد دو کشتیاں اُسی حاکم کی

بھیجی ہوئی اور آ پہنچیں مگر طوفان کی وجہ سے دس دن تک روانگی ملتوی کرنی پڑی جب طوفان فرو ہوا تو نواب صاحب مع بقیہ ہمراہیان کے چل پڑے اور وہ سب سے آخر شخص تھے جو کشتی پر سوار ہوئے بالآخر ساحل لیث پر بخیر وسلامت جا اُترے اور وہاں سے براہ یمن عازم مکہ معظمہ ہوئے۔ اس واقعہ کو نواب صاحب نے اپنے سفرنامہ "برہ آورد" میں زبان فارسی میں حسب ذیل الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں :۔

ع اَنَا الْغَرِیْقُ فَمَا خَوْفِیْ مِنَ الْبَلَلِ - بہمہ حال بدیں نوع باں جزیرہ رسیدہ جزیرہ بود وچہ جزیرہ کہ چشم حاسد ازاں فراخ تر باشد و دل لئیم ازاں کشادہ تر و معہذا نہالکہ بسایۂ آں تواں نشست ونہ درختے کہ از میوۂ آں بہرہ تواں برداشت نہ آب را دراں وجودی ونہ دانہ را دراں نمودی نہ راہی کہ ازاں جا تواں گزشت ونہ ساحلی کہ باںجا تواں رسید حال جزیرہ بایں خرابی کہ گفتم طور سفینہ باآں زبونی کہ شنیدی اکنوں چہ باید کرد چوں چارہ دگر نہ بود لاجرم بجزیرہ فرود آمدن تا اجل مقدر ہمہ را آں جا گزرانیدن ضرورت افتاد ہر چہ ازاں اسباب وکالا از آب بالا بود از جہاز بدریا انداختہ آمد کہ تدبیر فرود آوردن ایں بود و بس پس آنچہ

پیش ما ماندنی بود بحکم خالق بحر و بر باد شرط و موج دریا شرط زورقی و ملاحی بجا
آورده بما سپرد و هر آنچه رفتنی بود بسمت دیگر برد سپاس خدای را عزوجل
که بسیار آمد و کمتر رفت اما دران حال نه از رفتن حزنی و نه از آمدن سروری
و همچنین بما میل آب شیرین بدریا انداخته شد رفتنی رفت و آمدنی آمد و
کذلک از اجناس خوردنی هرچه برآوردن آن در حوصلهٔ امکان گنجید و اکثرش
برنج و باجره بود که اهل کشتی بتجارت بار کرده بودند بعد فرونشستن غوغا چاره
سگالی را بزم آراست و از پئے رای زدن نشست گفتگوی بمیان آمد این
بود آب و دانه درینجا وجودی ندارد و آب موجودهٔ ما بر میل و مردم زیاده
بر دو صد کس و پیداست که اینقدر آب سرمایهٔ چند روزه تواند شد و تا حیز
بجاے نرسد رسیدن سفینه معلوم و راه خبر بسته اند چلکنم تا گره از کار کشاید
همه بیک حرف زبان کشودند که کار از دست رفته است و آب از سر گذشته
تدبیری ندانیم و چارهٔ نمی توانیم جز اینکه دران کوچک سفینهٔ تنے چند از سر جان
برخیزیم و نشینیم تا چه پیش آید و از پس پردهٔ غیب چه رونماید هرچند اندیشه
برنتابد که چنین کشتی از چنان دریا بسلامت بگذرد اما اندیشه یعنی چه آنجا خوف
اگر از آب بحر است اینجا از آتش عطش ترسیده عذاب تشنه میری از آب

چوں تواند ترسید لاچارم بحکم الغریق یتشبث بکل حشیش دراں زبون زورق که حشیشے بیش نبود نه ده تن را که بعضے ازاں خود وسرخیل آں مولانا فضل علی بودند باچندے از کشتی باناں ویکے مولوی برہان الدین که بامگارنده ایں فرخ نامه مواسات تمام دارند در بمبئی ایشاں را شناسا آید از اہل پنجاب اند فطرتی سلیم وفکرتی مستقیم ایشاں راست ووجه سابق گزارده حالیا بعزم سکونت دراشرب البلاد قبله کل حاضر و باد میپرستند بعد انقضائے چهار روز بریں واہبه بتاریخ چہارم شوال توکلاً علی الله شائبده وسرداده رحمت الٰہی را منتظر نشستیم ہر سحر که می خیزیم روبدریا می خیزیم و ہر شام که می خوابیم بر فسانه سفینه می خوابیم دوازده روز از رفتن کشتی وشازده روز از شکستن جہاز سیری گشت تاشام گاہے دو کشتی خرد نمود ار شد وشب سیاه را امداد پدید آمد ہمپرس از شادی آں زماں که فلک در دریا از ہلال روز عید بر فلک دلاویز تر می نمود دانستیم رفتگان آمدند چوں ملاحاں فرود شدند ودیدیم یکے از آناں نیست در شگفت ترا افتادیم ہنگام پرس وجو بدینگونه داستان سرائی کردند که بعد ہفت روز فرستادگاں شما به قنفذه که کوچک معموره است بر ساحل دریا رسیدند وپیش گاه حاکم

که عرب دوله خواند ما جمله اگر از آمد و بیاری او با هفت سنبوق ره پیما شدند
چند شبانه روز میانه دریا بهم تفحص جزیره پرداختیم چو از جزیره سراغی نمود ملاحان
آں پنج کشتی را بسمت قنفذه برگردانیدند چندانکه مولانا فضل علی و دیگران
منع کردند سودے نداشت و دلیری نموده بسمت بحر عجم گرم تلاش شدیم
شکر لله که سعی ما مشکور آمد و گوهر مراد بکف آمد القصه در دو زورق خورد در
کوب این حجم غفیر صورتی نداشت لاجرم یکے را بعد سه روز و یکے را بعد شش روز
هر قدر مردم که گنجیدند نشانیده سر داده شد و خود تکیه بر لطف کارساز نموده
همه را ان شورش کده توقف پزیر آمد لعل الله یحدث بعد ذلک امرا۔
از انجا که خداوندگار را با بندگان خود رحمتی برتر از وصف است بروز بست و پنجم
از شکستن کشتی دو کشتی دیگر مشاهده شدند ظن بدانها به رنگ و بوے داشت
که نفحات یقیں بدماغ میرسید که مدهوشان ما را جنبش نسیم توفیق بخود آورد
و کم کرده راهان ما را خضر تحقیق از آواره خرامی استنانید چوں بکنار میرسیدند
باز بهماں نواهاے ناآشناست و بهماں شمائل هاے بیگانه تا هنگامه گفت
و شنود آغاز و زباں سرگرم پرسش راز گشت وا نمودند که آں پنج کشتی که
ره بجاے نبرد در راه قنفذه گرفت رسیدن همان بود و باز گردیدن همان که

امیر را ازیں معنی غضب در گرفت و قہرش فرو نہ نشست تا از جاے برنخاستیم
و بیک کشتی دیگر افزود و چند روز بہم جستیم عاقبت از تلاطم امواج و جوشش باو جدا
شدیم کہ بالحسب بخت و اتفاق بساحل مقصود گزر کردیم شعر او از کیست رہبر
در وادی محبت طوفان بود معلم دریاے بیکراں را۔ از کار دیگراں بیخبریم کہ ہنوز
آب بکیل می پیمایند و باد در ہاون میسایند یا عزم خانہ کردند و رخ بسوے وطن
آوردند بعد رسیدند سفائن عزم جزم شد کہ ایں بار بہر طور جملہ مردمان را بگنجانیم
غایت الامر از سامان و اسباب ہر چہ نگنجد بگزاریم ایں خیال مصمم شد و عزم
روانگی در پیش آمد مقارن آں حال طوفان باد و جوش باراں و اضطراب
امواج پدید آمد سفائن صغیرہ را چہ یارا کہ دریں نا ہنگام پا از حد خویش فرانہ
نہند مصرع چراغ مرا باد و باراں لب است آدہ روز سبب توقف ایں شد
چوں ہنگامہ ابر و باد فرو نشست بعزم سفر برخاستیم و بتاریخ پنجم شہر ذیقعدہ
وقت عصر آنجزایر را چیز باد گفتہ در کشتی نشستیم و رخ بسمت لبث کردیم شمارہ
ایام اقامت آں جزیرہ یک ماہ و پنج روز است چوں دریاے عجم موجی
نہ باندازہ دارد غالب بیم ہلاک بود و بحریان خطرناک اما آنجا کہ صیانت
ایزدی باشد ہیچ آب و آتش گزند نتواند رسانید سالماً و غانماً بتاریخ

هشتم نصف النهار بساحل لیث رسیدیم الحمد لله علی ذلک حمداً کثیرا
ان الله ہر بثوراً وجوراً وکان امر الله قدراً مقدورا حالیا پیش ازانکه سخن
از باب دگر گویم ماجرای آب بر زبان آریم که با آن مایه کمی تا این زمانه دراز
باینهمه مردم که اندازه کثرت شان بیشتر گرفته چون وفا کرد تا بدایع قدرت کامله
آفریدگار دریابی بشنو که جامی شام و جامی پگاه چون ساغر مهر و کاسه ماه بخشش
هر یکی بود و باین احتیاط چشم آن بنود تا پانزده بیست روز روی آب بینیم
و هنگامه هنگام قسمت دیدنی داشت هرچند که کس نبیناد اما بمثالی روشن
نادیده بدیده مردم جلوه دهیم و هجوم تشنگان گرد صاحب تقسیم بمثابه انبوه
باده خواران چپ و راست میفروش با همان جوش و همان خروش عطش
زده پیش سبوی آب چون مستی پیمانه خم شراب بیخود افتاده تشنه را با کاس
آب آن معاملتی که میخواری را با جام باده یکی نوای العطش العطش بگنبد مینائی
رسانیده یکی زمزمه پیمانه گران تر ده بآن سیرآهنگی سروده که زهره از غصه
بزم نشاط برچیده ای حسرتی زیر و بم پیش کش سخن ساده گوئی داستان
ماتم را با دف و نی مسرای شعر درد انگیز را بصوت حزین درد انگیزتر مکن
حدیث پرشور بملاحت بیان نمکین تر مساز افیون در شراب میامیز پرکاله

دل با سرشک مریز از نظیر و مثال بگذر ساده بر سر داستان طرازی شو بگو تا دگر
چه می گوئی چون در دو جام که قسمت میشد رفع عطش از لب‌تشنگان نچشیدن را سرمایه گو
ناکام پخت طعام از آب شور بود تراوش ابر رحمت بین که سحابی آمد و بارانی
بارید مغاکها کندیدند و آوندها نهادند قدری آب فراهم آمد و دو سه روز را سامان
شراب و طعام بر وجه بایست مهیا گشت - ازین پس بخاطر حقیر گذرانیدند اگر
آب دریا چون عرق بکشیدن آید شاید که بکشیدن آرند و نوشیدن را شاید امتحان درست
اندیشه و انمود سلمنا طعم عرق داشت اما در اجایگاه نوشیدن تر از آب حیات
و شیرین تر از شراب قند و نبات بود طول کوتاه درین هنگام که پیدا صورت
سختی داشت پنهان چه موهبت‌های جلیل و عطیه‌های جمیل که ارزانی داشتند
اگر همه بگذارم از تهمت ریا و سمعه می ترسم و اگر همه را گذارم از نعمت کفران
نعمت می هراسم نعمت‌ها از خداوند دیده ام وَاَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ شنید
خاموش چه توانم بود میگویم هرچه باداباد تا سستی با این صحابه کیش نسبت چنگ
در دامن عبدالله بن عمر نیز زنم و باقتدای ایشان زمزمه می سنجم خدا از آفت
ریا نگاه دارد و موهبت بخشتین آن بود که دلی عطا کردند صبور و زبانی سپاس
گذار دل وقف شکر نعمت‌ها و لب سرگرم ثنا از بدایت تا نهایت ناشکیبی گرد ملال

پردۂ ضمیر نگشت و از آغاز تا فرجام بیقراری در پس کوچہ مجهول ماند اگر باور داری کہ دروغ گفتن روا نیست سخن مرا باور کن و لاف شناس و گزاف مداں و شکرف نگیر و این نہ حد چوں منی بود ہر آئینہ لطفے بود از لطائف جل ستانہ و عم نوالہ چوں لطف او کار فرما شود ذرّہ خورشیدی کند و قطرہ دریا ے دگر در وادی بے آب و دانہ آب و دانہ چہ گونہ عطا فرمودند باز از چناں دشوار جاے چہ آساں بر آوردند دیگر یکے ہم ازیں ہمہ آسیبی ندید و گرندی نیافت کار آفتادہ شناسد کہ در صورت چنیں وقایع این معنی بس نادر است و ارو س و کالا ہم از بسیار اندکے و از صد یکے رفت شمارہ آلاے ایزدی از نیروی تنو مندان بالاتر است تا از ناتوانی چہ آید خوشتر آں است کہ سوال فراوانی نعم بیشمار تا روز شمار و خواستگاری مواہب بیحساب تا روز حساب نمودہ صرف نفس بد استان طرازی کند مستور مباد کہ بتاریخ نہم در لیست آمدیم قریہ مختصر لیست ۔

حج وزیارت بیت اللہ

وہاں سے براہ خشکی روانہ ہوکر منزل مقصود یعنی مکہ معظمہ پہنچے اور زیارت بیت اللہ کی مسرت نے تمام مصائب سفر کو بھلا دیا ۔ حج سے فارغ ہونے کے بعد نواب صاحب کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ نے

چار روز کے فصل سے یکے بعد دیگرے مکہ معظمہ میں سفر آخرت اختیار کیا۔ اور اسی خاک پاک میں جنت البقیع کے مقدس قبرستان میں مدفون ہوئیں۔

زیارت مدینہ منورہ

مکہ معظمہ میں دو ماہ پانچ روز قیام کرنے کے بعد آپ مدینہ منوّرہ کو روانہ ہوئے۔ جس ذوق و شوق اور جس سچے خلوص کے ساتھ آقائے دو عالم حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہوئے تھے اُس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ[۱] سے ہوتا ہے۔

جب آپ کا قافلہ قریب شہر کے پہنچا شیخ الحرم تشریف لائے اور پوچھا کہ محمد مصطفےٰ خاں نامی کوئی شخص اس قافلہ میں ہے۔ لوگوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے نواب صاحب سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ "آپ میرے مہمان ہیں" نواب صاحب نے جواب دیا "مجھے اس سے زیادہ کیا فخر ہو سکتا ہے۔ لیکن چونکہ میں ابھی یہاں بالکل نووارد ہوں سردست مجھکو

[۱] یہ واقعہ نواب صاحب نے اپنے سفر نامے میں نہیں لکھا ہے۔ بلکہ آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے ان اشخاص کو جنھیں اس واقعہ کا علم تھا ممانعت کر دی تھی کہ وہ کسی سے اس امر کا ذکر نہ کریں۔ حضرت مولوی محمد احمد جان صاحب خلیفہ شاہ عبدالغنی صاحب برادر اکبر مولوی سمیع اللہ خاں صاحب سی۔ ایم۔ جی۔ مرحوم جو نواب صاحب مرحوم کے دوست اور پیر بھائی تھے اس واقعہ سے واقف تھے۔ لیکن انھوں نے بھی نواب صاحب سے یہ وعدہ کر لیا تھا کہ وہ انکی زندگی میں اس واقعہ کا اعادہ نہ کریں گے مگر نواب صاحب کی سوم کی مجلس کے بعد اسکا تذکرہ کیا تھا۔

اس عزت سے معاف فرمایا جائے" اس پر شیخ نے صاف طور پر اپنے تشریف لانے کی وجہ بتائی اور فرمایا کہ "نہ میری مجال کہ معافی دوں نہ آپ کی طاقت کہ آپ معافی مانگ سکیں۔ اس لیے کہ" مجھکو حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوا ہے کہ میں جاکر حضور کی طرف سے شرط مہمانی بجالاؤں" یہ سنتے ہی آپ پر ایک حالت وجد طاری ہوگئی"

سفر طائف مدینہ منورہ میں ۳۹ روز مقیم رہنے کے بعد مکہ معظمہ کو واپس ہوئے اور مکہ معظمہ سے طائف تشریف لے گئے۔ یہاں کے قابل دید مقامات دیکھے اور جو یادگاریں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی موجود تھیں اُن کی زیارت سے مشرف ہوے۔

استغنا قیام مکہ معظمہ کے زمانہ میں مسجد حرام میں ایک کردستانی[5] بزرگ نے یہ معلوم کرکے کہ نواب صاحب کی کشتی ٹوٹ گئی تھی سرمایہ تلف ہوگیا ہوگا

---

[5] روزی از روزہا بعد نماز در مسجد الحرام نشستہ بودم عزیزی از کردستان پہلوے من بود گفت پارسی می دانی گفتم آرے گفت تو نہ آنی کہ کشتی تو شکست گفتم آری گفت این نہ بیت اللہ است گفتم آری گفت نہ این جائے خلاف نیست گفتم آری گفت ما شنیدہ ام کہ عزیزے را کشتی شکست مرا از غصہ جگر خون است دانم ساز و سامان رفتہ باشد و برگ و نوا تلف گشتہ خاکی بپیش من است بگیر و ساز برگی بساز این بگفت و کاغذی پیچیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵ پر دیکھیے)

آپ سے درخواست کی کہ میرے پاس ایک خاک ہے وہ لے لو اور اپنا سامان درست کرلو چنانچہ ایک پڑیا کمر سے نکال کر سامنے رکھ دی اُس کا یہ کہنا تھا کہ نواب صاحب کو سخت رنج ہوا اور دل میں کہا خدایا میں تو بخشایش کا طالب ہوں نہ زر کا۔ اُس کی طرف سے مُنہ پھیر لیا اور کہا مجھکو معذور رکھو اس نے پھر اصرار کیا اور آپ نے انکار کیا تو وہ بولا کیا مجھکو شعبدہ باز یا مکّار سمجھتے ہو۔ آپ نے جواب دیا کہ میں گمان بد کرنے والا آدمی نہیں۔ اُس نے پھر اصرار کیا کہ یہ نہ سونا ہی نہ چاندی محض خاک ہے اس کے لینے سے کیوں عار ہی۔ نواب صاحب نے کہا کہ اس خاک پر تو خاک ڈالو۔ ہاں کوئی ایسی چیز دو جو مس وجود کو سونا بنادے۔ کردی نے کہا کہ ایسی چیز کی خواہش تو تم سے زیادہ خود مجھکو ہی۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۴) از میان برآورد و پیش من نہاد این سخن از وے گفتن و مرا دل از مویہ درہم شد (با) گفتم خدایا خواہان آمرزش آمدہ ام نہ جویان زر روی ازو در پیچیدم و گفتم عذرم می پذیر سرمایہ من بامن است منت خدائے را کہ جز بخوایش نیاز مندم نکردہ باز روزی دوچار شد وہمان گفت کہ گفتہ بود وہمان گفتم کہ شنیدہ چون در من میلی ندید بدین گونہ بسخن در آمد کہ بہ آئینہ شعبدہ باز و نیرنگ سازم میدانی گفتم از بدگمان نیم گفت پس چی توان گرفت گفتم نمی توان گرفت گفت نہ این سیم است و نہ زر کف خاکی است ننگ از چیست گفتم خاک بر سر این خاک ریزد آن بیار کہ مس وجود را از زر ناب کند گفت بآن سئول از سائل نیاز مند تر است ۱۲۔

مراجعت وطن

طائف سے پھر حرم محترم میں پہنچے۔ ۱۵ روز مکہ معظمہ میں آخری قیام کرکے وطن کو مراجعت فرمائی اور پورے دو سال اور چھ دن کے بعد ۲۳- ذی الحجہ ۱۲۵۷ ہجری کو دہلی میں وارد ہوئے۔ علاوہ اُن گوناگون فیوض اور برکات کے جو اس مبارک سفر سے حاصل ہوئیں ایک سن رسیدہ بزرگ کی اشارت ہی جن سے بڑودہ میں بوقت مراجعت وطن قدمبوسی کا اتفاق ہوا تھا اُنھوں نے اس مبارک سفر کا ایک نکتہ بتایا۔ جس کو آپ نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے اُس کا اس موقعہ پر نقل کرنا خالی از دلچسپی نہوگا۔ کیا خوب فرمایا ہے۔

"جو فاسد مادّہ خودی اور اسباب ظاہری میں گرفتار رہنے کا انسان کے اندر موجود ہے اُس کے دور کرنے کے لیے سمندر کا سفر نہایت مفید ہے" بالخصوص ایسے وقت میں جبکہ موجیں ٹکرائیں آسمان میں ابر غلیظ گھرا ہو اُس مصیبت کے وقت میں کہ کوئی تدبیر کارگر نہو سکے اور تمام ظاہری اسباب مفقود ہوں۔ پردہ درمیان سے اُٹھ جاتا ہے اور کثرت کے غالب ہونے کا خیال نکل جاتا ہے اور خداوند واحد کا غلبہ معلوم ہوتا ہے۔ خودی کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے۔ لمن الملک الیوم" للہ الواحد القہار کا مطلب ظاہر ہو جاتا ہے" ان باخدا بزرگ کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب پر جو خاص قسم کی

مصیبت اس سفر میں گزری تھی اور جس کا مجمل ذکر سطور بالا میں کیا گیا ہے وہ درا صل ایک مبارک ابتلا تھا۔ جس میں خدا کو مشاہدہ وحدت کرانا اپنے خاص اور برگزیدہ بندوں کو منظور تھا۔

ایّام غدر کی مصیبت

غدر ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کے عمائد و شرفا پر جو مصیبت گزری ہی خدا دشمن کو نہ دکھائے۔ نواب صاحب بھی اُس سے مستثنیٰ نہ رہے اُن کا دار الریاست جہانگیر آباد خطرناک حالت میں تھا۔ نواب صاحب اُس کو چھوڑ کر بمقام خان پور جو جہانگیر آباد سے چند میل کے فاصلہ پر ہے اپنے عزیز دوست عبد اللطیف خاں صاحب رئیس خان پور کے ہاں اقامت گزین ہو گئے تھے ٹھاکروں نے قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ کر لیا اور نواب صاحب کے عالیشان اور خوشنما محلوں کو آگ لگا دی۔ تمام قیمتی اور پُر تکلف اثاث البیت جل کر خاک سیاہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ اُن کا گراں بہا کتب خانہ اور اُن کی اپنی تصانیف جس میں اُردو و فارسی کا کلام بھی شامل تھا آگ کی شعلوں کی نذر ہو گیا۔ جس وقت بھیم سنگھ اور اُس کے ساتھی ٹھاکروں نے جہانگیر آباد میں یہ ہنگامہ فساد برپا کر رکھا تھا۔ حُسن اتفاق سے ریاست رامپور کی فوج دہلی جانے کے لیے جہانگیر آباد سے گزری۔ اس فوج کا افسر نواب[۱] یوسف علی خاں

[۱] نواب فردوس مکان یوسف علی خاں صاحب بہادر اور نواب شیفتہ مرحوم سے (بقیہ نوٹ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ ہو)

فردوس مکان والیے رام پور اور نواب مصطفٰے خاں صاحب کے دوستانہ تعلقات سے واقف تھا اس لیے اُس نے ٹھاکروں کے مقابلہ میں نواب صاحب ممدوح کے تابعین کی مدد کی اور اُن کو از سر نو قلعہ جہانگیر آباد پر قبضہ دلادیا۔

الزام بغاوت سے برائت نواب صاحب پر بغاوت کا الزام بھی لگایا گیا اور کچھ عرصہ تک یوسف زنداں بنائے گئے مگر آخر کار اس سے گلو خلاصی ہوئی اور نواب صاحب بفضلِ خداوندی مامون و مصئون رہے اور مدارج و مناصب بھی برقرار رہے۔

صبر و استقلال خواجہ حالی مرحوم فرماتے تھے کہ ایام غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ نواب صاحب مصیبت حبس میں بمقام میرٹھ تشریف رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۷)

اُس زمانہ سے مخلصانہ تعلقات تھے جبکہ نواب فردوس مکان مسند حکومت پر متمکن ہونے سے قبل دہلی میں قیام فرماتے تھے اُس زمانہ میں نواب عبد الرحمن خاں صاحب برادر خورد نواب جنت آرام گاہ محمد سعید خاں صاحب بہادر دہلی کے قریب گورگانوہ میں ڈپٹی کلکٹر تھے نواب شیفتہ مرحوم کی چھوٹی ہمشیرہ صاحبزادہ اصغر علی خاں صاحب برادر زادہ نواب جنت آرام گاہ سے منسوب ہوئی تھیں اُس وقت سے نواب شیفتہ مرحوم اور ریاست رام پور میں باہم خاندانی مراسم قائم ہو گئے جو اب تک قائم ہیں جب نواب جنت آرام گاہ محمد سعید خاں بہادر ریاست رام پور کی مسند پر متمکن ہوئے اور نواب محمد مصطفٰے خاں صاحب ادائے تہنیت کے لیے رام پور آئے تو یہ قرار پایا کہ نواب محمد مصطفٰے خاں نذر پیش کریں اور نواب رام پور معانقہ کریں اور خلعت دیں جس میں ایک ہاتھی بھی مقرر تھا۔

بہت کوشش سے اپنے مہربان قدیم ٹرمیل صاحب کے پاس جو پہلے کلکٹر بلند شہر اور میرٹھ میں جج ہو کر آگئے تھے یہ پیام بھجوایا کہ آپ کسی وقت آکر مجھ سے ملیں۔ صاحب نے جواب دیا کہ میں علی الصباح آسکتا ہوں چنانچہ حسب وعدہ آئے لیکن نواب صاحب اُس وقت دوگانہ سنت ادا کر کے فریضہ کے تہیّہ میں تھے کہ آدمی نے اطلاع کی۔ نواب صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ نیت فریضہ باندھی اور حسب عادت سورہ دہر پڑھی۔ اختصار گوارا نہ فرمایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ٹرمیل صاحب بعد انتظار بسیار واپس گئے اور ایک ظاہری توی تدبیر ہاتھ سے جاتی رہی۔ مگر اس تدبیر کے فوت ہونے سے اُن کے استقلال میں کچھ فرق نہیں آیا۔

تسلیم و رضا حاجی باسط علی صاحب ساکن کرسی جو ایک دیندار و ثقہ آدمی تھے فرماتے تھے کہ مصائب ایام غدر میں ایک دن نواب صاحب مرحوم پیادہ پا محافظین کے ساتھ سڑک پر جاتے تھے۔ اس اثنا میں آسمان کی طرف دیکھا اور فرمایا،، تیری شان کریمی کے قربان کہ اتنی ہی سزا دی ورنہ میں تو اس سے بہت زیادہ سزا کا مستوجب ہوں۔

ایک زمانہ میں شمس العلما مولوی ذکا اللہ صاحب بلند شہر کے ڈپٹی انسپکٹر تھے

اُن کی زبانی نقل ہے کہ دہلی میں نواب صاحب کو مرض سرطان عارض ہوا ڈاکٹر اپریشن کیا کرتا تھا اور ناقص حصہ گوشت کا آلات سرجری سے کاٹ کاٹ کر برابر صاف کیا کرتا تھا جس سے تیمارداروں کو تاب ضبط نہ رہتی تھی۔ چنانچہ ایک روز صاحب زادہ محمد علی خاں بے اختیار رونے لگے۔ لیکن نواب صاحب کی پیشانی پر کبھی بل بھی نہ آتا تھا۔ صاحبزادہ صاحب کو بلایا اور فرمایا کہ "اس جسم خاکی کے زوال پر رونا نہایت کم ہمتی ہے۔ انسان کو اپنی مصیبت پر رونا نہ چاہیے"

مولوی ذکاء اللہ صاحب فرماتے تھے کہ ایسا ضبط و استقلال میں نے آج تک کسی شخص میں نہیں دیکھا۔

علمی چرچے اور صحبتیں

غدر سے قبل نواب صاحب کا قیام زیادہ تر دہلی میں رہتا تھا۔ نواب[۵۱] ضیاء الدین خاں نیر[۵۲]۔ مفتی[۵۳] صدر الدین خاں آزردہ۔ حکیم

---

[۵۱] نواب صاحب ضیاء الدین خاں لوہارو کے رئیس تھے اور دہلی میں قیام پذیر تھے آپ تاریخ و ادب میں مہارت کامل رکھتے تھے۔ مفتی[۵۳] صاحب نواب صاحب کے انتقال کے بعد عرصہ تک زندہ رہے جب کبھی نواب محمد علیخاں یا نواب محمد اسحاق خاں صاحب فرزندان نواب صاحب مرحوم سے ملاقات ہوجاتی تو نواب صاحب کی یاد تازہ ہوجاتی اور ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے تھے نواب صاحب نے (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱ پر ملاحظہ ہو)

احسن اللہ خاں ۔ مولوی امام بخش صہبائیؔ ۔ مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ ۔ سید غلام علی خاں وحشتؔ[۱] ۔ میر حسین تسکینؔ ۔ حکیم مومن خاں مومنؔ جیسے سخنوران باکمال کا اُس شہر لطافت بھر میں جمگھٹا تھا جب یہ لوگ مِلکر بیٹھتے شعر و سخن ہی کا شغل اور چرچا رہتا ۔ ۱۸۴۷ء کا وہ زمانہ تھا کہ نواب صاحب و مفتی صاحب کے یہاں ہر ہفتہ باری باری سے مشاعرہ ہوا کرتا تھا ۔ ایک روز نواب صاحب کے یہاں مشاعرہ تھا اُس میں مفتی صاحب نے اپنی وہ مشہور غزل پڑھی جس کا ایک شعر یہ ہے ؎ یا تنگ نہ کر ناصح ناداں مجھے اتنا

یا لاکے دکھا دے دہن ایسا کمر ایسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۰) گلشن بیخار میں آپ کا ذکر حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے ۔ "فی الجملہ مولانا از وجود بزرگ است بزرگانش از اہل علم و اعتبار بودہ اند و مولد و منشائے وی ہمیں بقعہ مبارک است اعلیٰ ترین مناصب فصل خصومات کہ باصطلاح اہل فرنگ صدر الصدور ش میخوانند و امروز در سلطنت ایشاں برائے ارباب ہند شائستہ تر ازیں خدمتی نیست با ایشاں است و مولانا آں را ذریعہ کسب معیشت دنیوی را وسیلہ نیل مثوبات اخروی گردانیدہ کہ ہمہ ہمتش صرف رواج کارانام است و برکت تصفیہ مسائل خاص و عام بادا سعے اتحاد موفور و التیام نا محصور دار در وزی نیست کہ شہد صحبت ایشاں چشیدہ نشود و دباین فند نگر کام جان حلاوت اندوز نگردد و باعتقاد من روزیکہ بے شرف مجالست ایشاں بپایان آید داخل ایام عمر نیست"

[۱] سید صاحب بلند شہر کے مشاہیر میں گزرے ہیں ۔ نواب صاحب سے اُن کی گہری دوستی تھی یہاں تک کہ ان کی دوستی عشق کے درجہ پر پہنچ گئی تھی نواب صاحب کے سب ملنے والے ان دونوں کو ایک جان دو قالب سمجھتے تھے یہ ہی وجہ ہے کہ مرزا غالبؔ نے ان دونوں کا ایک ساتھ اپنے ایک شعر میں ذکر کیا ہے ۔ (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ ہو)

نواب صاحب نے مزاحاً مفتی صاحب کے چھیڑنے کو اسی طرح میں ایک غزل ایسے شخص کو لکھکر دیدی جس کا شمار سخنوران مشاہیر میں نہ تھا۔ مفتی صاحب کے بعد جس وقت اُس نے اس غزل کو پڑھا مفتی صاحب کی گھبراہٹ اور پریشانی قابل دید تھی۔ اس غزل کے دو شعر یہ ہیں ؎

ہم بزمِ دشمن کا چھپا ہی تھا قاصد + کہتا ہی کسی سے کوئی ناداں خبر ایسی
کہتے ہو علاج آپ کریں کچھ خفقاں کا + دل کا ہے کو رہویگا سنائی اگر ایسی

(بقیہ نوٹ صفحہ ۳۱) وحشت و شیفتہ اب مرثیہ کہویں شاید + مرگیا غالبِ آشفتہ نوا کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ مرزا نے جب جہانگیر آباد میں نواب صاحب کے پاس وحشت مرحوم کا آنا سُنا تو نواب صاحب کو خواجہ حافظ کا یہ مشہور شعر اس طرح بدل کر لکھ بھیجا ؎ چو با حبیب نشینی و چار پیمائی + بیاد آر حریفان بادہ پیمارا۔ مرزا نے یہ تصرف بے وجہ نہ کیا تھا۔ چونکہ نواب صاحب محتاط تھے اس لیے اُن کی نسبت بادہ کی بجائے چار کا لفظ لکھنا پڑا (یادگار غالب)

خود نواب شیفتہ نے اپنی گلشن بیخار میں آپ کا تذکرہ اس طرح لکھا ہے:-

"وحشت تخلص غلام علیخاں خلف الصدق میر فرحت اللہ خاں داماد مولانا محمد رشید الدین خاں غفر اللہ لہما از دودمان کریم است و از اکابر زادگان فخیم مولدش مراد آباد و در بنارس و شاہجہان آباد نشو و نما یافتہ بالفعل بمناصب ممتاز انگریزی در بلند شہر بسر می برد ماہ میزادج سخن سنجی و سخندانی است و مہر انور فلک مضامین و معانی گلہائے فکرش دستہ بزم گلرخاں را شاید و جواہر نظمش آویزہ گوش یاقوت لباں را باید نہ بے حلاوت کلامش کہ از زبان حسود ہجو است بجائے طعنہ نعرہ احسنت خیزد و شدت ذوق گفتارش کہ در زہر خند شراب از دہان اعدا ریزد"

نواب صاحب کی رسم و اتحاد مفتی صاحب سے نہایت مستحکم تھی۔ تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں مفتی صاحب کا حال لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ "ایسا کوئی دن نہیں ہوتا کہ مفتی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی ہو۔ اور میرے اعتقاد میں جس روز ان کی مجالست کا شرف حاصل نہ ہو داخل ایام عمر نہیں ہے"

ہم کو معلوم ہوا ہے کہ دونوں بزرگوں کے دولت خانوں میں زیادہ فصل نہ تھا اس لیے اکثر باہم آمد و شد رہتی تھی۔ جب سفر حج سے واپس ہوکر نواب صاحب وارد بمبئی ہوئے تو مفتی صاحب کے خط کے جواب میں ایک قطعہ فارسی بیس شعر کا نواب صاحب نے لکھا تھا جس میں سے چند اشعار بطور یادگار ہم بھی لکھتے ہیں۔

بہر طواف کوے تو اے مہر اوج فضل ✤ رو جانب زمین ز سما کردہ ایم ما

در کعبہ داستان مسیح تو خواندہ ایم ✤ وندر مدینہ بر تو ثنا کردہ ایم ما

ہر جائے کان محل اجابت شمردہ اند ✤ حق وفا و مہر ادا کردہ ایم ما

اس قطعہ کو نواب[1] صدیق حسن خاں صاحب مرحوم نے اپنے تذکرہ موسومہ شمع انجمن میں درج

---

[1] نواب شیفتہ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے خاص مراسم تھے جن کا ذکر خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے اپنے تذکرہ شمع انجمن میں نواب صاحب مرحوم کے تذکرے میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں "در محرر سطور در زمانہ قیام شاہجہان آباد کہ قریب دو سال خواہد بود بغرض طلب علم در دولت کدۂ ایشاں پاے اقامت (بقیہ نوٹ صفحہ ۳۴ پر ملاحظہ ہو)

کیا ہے۔

دائرہ احباب

نواب صاحب کی ذات گوناگوں صفات کی جامع تھی۔ اہل امارت میں امیر تھے تو ارباب فقر میں فقیر، طبقۂ علما میں عالم تھے تو زمرۂ شعرا میں شاعر اور اہلِ ادب میں ادیب۔ اس لیے آپ کا دائرہ احباب بھی بہت وسیع تھا۔ بعض اصحاب ہم فنی کے لحاظ سے آپ کی ملاقات و دوستی کو موجب فخر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) افتُرد و تا بقیدِ حیات بود بخط و کتابت یاد و شاد میفرمود۔ ترغیب السالک الی احسن المسالک و تذکرہ گلشن بیخار و دیوان شعر فارسی و رسالۂ آورد از تالیفات ایشاں باقی ست فسلک مذکور درسنہ ۱۲۵۹ھ از دہلی ہدیۃً نزد کاتب حروف فرستادہ و در ۱۲۷۳ھ بزمانہ برگشتگی افواج ہند ہرگاہ بتہمت غدر مبتلا شدہ بحبس افتاد محرر سطور بواسطہ بعض حکام سعی موفور در اخلاص بکار برد و حق تعالیٰ او را از اں عقبہ کود نجات بخشید خطی بمحرر سطور تحریر کرد کہ عبارتش بلفظہ این ست مخدوما سامی کہ در زمان مبتلا بودن مخلص بہ بند بلا نام صدر الصدور صاحب بہادر رسیدہ بود بر طبق آں صاحب ممدوح آنچناں مساعی جمیلہ در نوشتن ہائے نبیلہ فرمودند کہ صورت نجات مخلص بظہور رسید ازی مقتضائے محبت ہائے سامی ہمیں بود ایں احسان فراموش شدنی نیست اکنوں نجات صوری رو داد لیکن نجات معنوی باقی ست یعنی جائداد وغیرہ وجوہ معاش ہنوز مطلق واگذاشت نشدہ ایں مقدمہ ہم باجلاس صدر الصدور موصوف رسیدہ پیش نیز درست اثنا وکیل آنجناب اطلاع کنم تا بنام شان خط سفارش چنانکہ سابق نوشتہ اند ترقیم فرمایند تحریر ہمیں کہ بقیہ ...... امر شکر گذار سامی خواہم شد فضول ست کہ میان ما و شما گنجایش ہیچ امور نیست کہ یاد از بیگانگی باشد و ظاہر ست کہ باد ایں منت بس عظیم خواہد بود مورخہ یکم شعبان ۱۲۷۴ھ ہجری انتہی ہمچناں ایں خط آں مخلص دیگر بنام مومن علیخاں صدر الصدور ساکن سندیلہ نوشتہ شد و ہمہ معاش بعد کشش و کوشش بسیار واگذاشت شد و للہ الحمد توفی رحمۃ اللہ تعالیٰ ؒ

سمجھتے تھے۔ بعض حضرات جو علم و فضل کے جوہر شناس تھے آپ سے رسم مودت پیدا کرتے تھے۔ ارباب طریقت بتقریب ہم مشربی آپ سے ملتے تھے۔ بعض کے مراسم امارت و ثروت کے تعلقات سے وابستہ تھے۔ ان میں سے بعض احباب کا ذکر جمیل بموقع بموقعہ اُن حالات کے ضمن میں آیا ہے۔ اُن کے علاوہ خاندان کمبوہاں سے بزرگان میرٹھ میں آپ کے احباب نواب احمد اللہ خاں و منشی ممتاز علی خاں (اس نام کے دو بزرگ تھے) اور حافظ عبدالکریم صاحب رئیس لال کرتی اور شیخ محمد صاحب تھانوی[۱] تھے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد سے نواب صاحب کے رہنے کا اتفاق زیادہ تر جہانگیر آباد میں ہوتا تھا جہاں نہ دہلی کے سے علمی چرچے تھے نہ اہل کمال کا وہ جمگھٹا۔ اس لیے شعر و شاعری کا شغل بہت کم ہو گیا تھا اور در اصل جب سے زیارت حرمین شریفین سے واپس آئے آپ کسی دوسرے ہی حال میں تھے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

---

[۱] یہ مولوی شیخ محمد صاحب بڑے عالم زاہد اور صوفی مشرب بزرگ تھے تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں اُن کا مسکن تھا۔

اے شیفتہ ہم حب سے کہ آئے ہیں حرم سے ✦ شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

بلکہ تذکرہ گلشن بیخار کے دیکھنے سے تو یہ پتا چلتا ہے کہ آپ نے سفر حجاز سے پہلے ہی اس شغل کو کم کر دیا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں "چوں ربط با ایں فن از دیگر اشغال عالیہ و فنون شریفہ باز می دارد اکنوں دیرگاہ ست کہ سروکارم نسبت مگر بتحریک محفلیان گاہے از واردات جدیدہ اتفاق می افتد آں ہم بعد سالے نہ کہ ماہے" مولانا حالی نے ضمیمہ کلیات نظم حالی میں جو دیباچہ لکھا ہے اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب صاحب اپنی زندگی کے آخر چند سال میں بھی کبھی کبھی فارسی میں فکر سخن کرتے تھے غالباً اس کا سبب مولانا حالی کی وہاں موجودگی ہوگی۔ مولانا مرحوم بوجہ تعلق ملازمت ۱۸۶۳ء سے نواب صاحب کے اخیر وقت تک وہاں رہے تھے۔ مولانا حالی سے یہ بھی نقل ہے کہ نواب صاحب اواخر ایام میں خواجہ حافظ کی روش پر فکر سخن کرتے تھے۔

اولاد نواب محمد علی خاں جو ریاست رامپور میں ریونیو ممبر رہے ہیں اور لارڈ لینسڈون کے زمانہ میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر بھی تھے فرزند اکبر تھے ۱۸۹۹ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

نواب نقشبند خاں دوسرے فرزند تھے ۱۸۷۷ء میں انتقال کیا۔ تیسرے

صاحبزادے نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ہیں جو علم دوستی اور مکارم اخلاق اور دین و دیانت و سخاوکرم میں اپنے والد بزرگوار کے صحیح جانشین ہیں۔ صوبہ متحدہ میں ڈسٹرکٹ جج کے عہدہ پر ممتاز رہے۔ چار سال تک مدارالمہام ریاست رام پور بھی رہے۔ اور اب پنشن یاب ہوکر ایم اے او کالج علی گڑھ میں آنریری سکرٹری کی اہم خدمات انجام دے رہے ہیں خدائے تعالیٰ اُن کی ذات ستودہ صفات سے تا دیر قوم کو مستفید ہونے کا موقعہ عطا فرمائے ان کے علاوہ دو صاحبزادیاں تھیں جن کا انتقال ہوگیا ان کا عقد بھوپال میں نواب شاہجہان بیگم صاحبہ کے برادر خورد کے فرزندوں سے ہوا تھا۔

تصانیف و شاعری اولاد کے ذکر کے بعد اب ہم آپ کی اولاد معنوی کا ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی شاعری کی ابتدا اس شعور کے شروع ہونے کے ساتھ ہی ہوگئی تھی اُردو میں شیفتہ تخلص کرتے تھے اور فارسی میں حسرتی۔

دیوان ریختہ اکیس سال کی عمر میں مرتب فرما چکے تھے جو غدر ۱۸۵۷ء سے غالباً دو تین سال پہلے مطبع آئینہ سکندری میرٹھ میں چھاپا گیا تھا۔ ایک غزل کا مقطع بھی اس طرف اشارہ کرتا ہے ؎

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیر طریقت ٭ گو عمر ہی میری ابھی اکیس برس کی

فارسی اور اُردو دونوں میں حکیم مومن خاں صاحب مومنؔ[۵] سے تلمذ تھا اور خان موصوف کی وفات کے بعد مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالبؔ سے مشورہ کرتے تھے۔

[۵] حکیم مومن خاں صاحب بھی نواب صاحب کی قابلیت سخن فہمی وسخن سنجی کی نہایت قدر فرماتے تھے۔ اکثر اوقات نواب صاحب ہی کی فرمائش سے فکر سخن کرتے تھے۔ اور اپنے کلام ریختہ کی تدوین بھی نواب صاحب ہی کو سپرد کی تھی۔ چنانچہ نواب صاحب نے تذکرہ گلشن بیخار میں جہاں حضرت مومن کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے "با ایں ہمہ صفات کہ مذکور شد بے تحریک محرکے بفکر سخن نمی پرداختند۔ چنانچہ اکثر کلامش بخواہش داعی آثم صورت ظہور گرفتہ وہم تدوین افکار ریختش را فقیر باعث گشتہ۔ دیباچہ آنکہ ریختہ خاصۂ من ست در آں بتفصیل ایں ماجرا باز کردہ ام"

مومن نے تذکرہ گلشن بیخار پر ایک تقریظ لکھی ہے جس میں نواب صاحب کی مدح ایک رباعی میں اس طرح کرتے ہیں۔ رباعی

آں شیفتہ کز خرد گرامی باشد + سرخیل سخنوران نامی باشد
اکنوں کہ حسد نماند الّا بعدم + محمود ثنای و نظامی باشد

اور پھر نواب صاحب کی سخن فہمی کی داد اس طرح دی ہے۔

ز تحسین او حسن معنی بناز + ہزار آفریں بر چنیں امتیاز

مومن نے ایک معما باسم نواب مصطفےٰ خاں بہادر لکھا تھا جو دیوان مومن میں موجود ہے۔

نوا بلبل کی بے بس کر رہی ہے + بہار اک جام بے جا بھر رہی ہے
صدا بے درد قمری کی بلا ہے + سر طاقت بھی جس کا نقش پا ہے
فلک کو کل نہیں بے جور و بیداد + سحر کیا ہوگیا ہے فصل خوں داد
کہ وہ سرو خراماں یاں نہیں ہے + سرو را اپنا تو اب امکاں نہیں ہے
بہار سبز پا کے پاؤں ٹوٹیں + کہ درد بے حد حسرت سے چھوٹیں

نواب صاحب مرحوم اور مرزا سے جس زمانہ میں تعارف ہوا وہ زمانہ مرزا کی شاعری کے شباب کا نہ تھا جیسا کہ مرزا نے اپنے ایک خط میں جبکہ اُن سے اور نواب صاحب سے نئی نئی ملاقات ہوئی تھی نواب صاحب کی نسبت لکھا تھا "چوں دکان را کالا و زبان را حرف ہائے جگر آلا نماند۔ روزگار گراں مایہ خریداری (یعنی نواب مصطفٰے خاں) پدید آورد کہ نقد رائج سخن خود را بہ بہائے گفتار ناسرہ من میدہد و گوہر را بہ پلہ ہمجائگی خزف می نہد" رفتہ رفتہ باہم نہایت خلوص و اتحاد ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ قصیدہ جو مرزا نے نواب صاحب کی شان میں لکھا ہے شاہد حال ہے اس میں سے چند شعر بطور تخلیص کے نقل کیے جاتے ہیں۔

آں ہمائے تیز پروازم کہ بال ❊ در ہوائے مصطفٰے خاں میزنم
عرفی و خاقانیش فرماں پذیر ❊ سکہ در شیراز و شرواں میزنم
او خرامد مست و من چاؤش وار ❊ بانگ بر اجرام و ارکاں میزنم
گلشنِ کویش گذرگاہ من ست ❊ دوش در رفتن برضواں میزنم
خوبی خویش بہ آموز من ست ❊ دم زیاری می زنم ہاں میزنم
مہر ورزی بیں کہ باشم ہمنشیں ❊ من کہ زانو پیش درباں میزنم

بشنود نے آنکہ یاد آں رابرو + نالہ گہ در کنج زنداں میزنم
بنگرد نے آنکہ کلک آنزا کشد + نقش گہ بر صفحۂ جاں میزنم

مرزا نے "سبد چین" میں بھی ایک موقع پر لکھا ہے ؎

مصطفےٰ خاں کہ دریں واقعہ غمخوار من است + گر بمیرم چہ غم از مرگ عزادار من است

کلام فارسی

نواب صاحب کا فارسی کلام حمد تصوف حکمت، اخلاق اور محبت کے اعلیٰ جذبات سے بھرا ہوا ہے اکثر مواقع پر غالب، مومن صہبائی جیسے ماہرین فن نے اُن کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ ہم نے اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے اُردو اور فارسی کلام پر جو مختصر ریویو اور دیگر شعرا کے کلام سے اُس کا موازنہ کیا ہے خود ناظرین کو اُس کے مطالعہ سے حسرتی کے کلام کا پایہ معلوم ہو جائے گا۔

کلام ریختہ

شیفتہ کا اُردو کلام بھی معمولی کلام نہیں ہے۔ گرمی اور لذت کے علاوہ جو اُن کے کلام میں خداداد ہے اس میں وہ شکوہ الفاظ اور چُستی ترکیب بھی پائی جاتی ہے جو کسی وقت سودا اور نصیر کا حصہ تھی اور ان کے کلام میں بندش الفاظ اور ترکیب کی روش کے لحاظ سے وہی خصوصیات موجود ہیں جن سے اُن کے اُستاد مومن اور غالب کا کلام مالامال ہے جس طرح غالب میر کی اداؤں کے

مرتے تھے۔ شیفتہ بھی میرؔ کی سادگی کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے کلام میں میرؔ کی سی روش پیدا کرنے کے آرزومند تھے فرمایا ہی ؎

نرالی سب سے ہی اپنی روش ای شیفتہ لیکن + کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہائے میرؔ پھرتی ہے

اُن کے کلام کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوگئے تھے۔ چنانچہ اپنے مقطع میں اُنھوں نے اپنی اُس کامیابی پر فخر کیا ہی۔ ؎

شیفتہ سادہ بیانی نے بہت چمکایا + ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہم سے

سادہ اشعار سے جن میں میرؔ کی جھلک صاف نمایاں ہی شیفتہ کا دیوان بھرا پڑا ہی۔ مثلاً

شاید اسی کا نام محبت ہی شیفتہ + اک آگ سی ہی سینہ کے اندر لگی ہوئی

مرنے کا مرے نہ ذکر کرنا + قاصد وہ بہت الم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی اُستاد + ہم قصد سوئے عجم کریں گے

اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ + یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ + ایسی حسرت سے جو ہی گزری ہوئی الفت کی یاد

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی + تھام لینا وہ تیرے محمل کو

آخر میں متاخرین شعرا غالب۔ مومن۔ سالک۔ عارف۔ وغیرہ نے بھی یہ جدّت شروع کی تھی کہ قدما کے سیدھے خیالات اور معمولی اسالیب کو لفظی اور معنوی تصرف کے ساتھ ایک نئے سانچے میں ڈھال دیتے تھے اس قسم کی جدّت آفرینوں اور لطیف اور پاکیزہ تصرفات میں شیفتہ بھی اپنے اُستاد مومن خاں سے کچھ کم نہ تھے۔ ترکیبوں پر نظر ڈالی جائے تو وہ تراکیب جو مومن اور غالب کا خاص حصّہ تھیں سوائے شیفتہ کے کسی دوسرے کے یہاں مل ہی نہیں سکتیں مثلاً۔

فصل گل ہی میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے + تو بہ ژولیدہ زیب طاقِ نسیاں چاہیے

بچتے ہیں اسقدر جو ادھر کی ہوا سے ہم + واقف ہیں شیوۂ دلِ شورش ادا سے ہم

ای مرگ آ کہ میری بھی رہجائے آبرو + باندھا ہی سوگ اُس نے عدو کی وفات کا

سب سے بڑی خوبی یہ ہی کہ اُن کے کلام میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بھری ہے اور اُن کی شاعری میں تہذیب کے پہلو کو کسی موقع پر نظر انداز نہیں کیا گیا ہی۔ خلاصہ یہ ہی کہ شیفتہ اپنے وقت کے اُستاد تھے اور اُنھوں نے جو کچھ کہا خوب کہا خود ہی فرماتے ہیں ؎

طرزِ سخن کہے وہ مسلّم ہے شیفتہ + دعوی زبان سے نہ کیے میں نے یا کیے

اس مختصر سوانح عمری کے ذیل میں شیفتہ کے کلام پر ریویو کی گنجائش نہیں نکل سکتی اس لیے ہم اس سوانح عمری کے آخر میں اُن کے کلام پر ایک نظر ڈالکر تصوف، پند و حکمت، حسن معانی شوخی و ظرافت وغیرہ کی علحدہ علحدہ مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کریں گے جس سے وہ خود شیفتہ کی قادر الکلامی کا اندازہ کر سکیں گے۔

رقعات فارسی دیوان فارسی اور ریختہ کے علاوہ اس کلیات میں ہم نے حضرت شیفتہ کے رقعات فارسی کو بھی شامل کر دیا ہے جس سے فارسی میں اعلیٰ انشا پردازی اور بلاغت کا اظہار ہوتا ہے یہ مکاتیب جا بجا تصوف سے مالا مال ہیں۔

گلشن بیخار اس کلیات کے علاوہ ان کی ایک اور مبسوط تصنیف "تذکرہ گلشن بیخار" ہے۔ جو اُن کے سفر حجاز سے پہلے مکمل ہو کر شائع ہو چکا تھا۔ یعنی ۱۲۴۸ھ ہجری میں اس کی تصنیف شروع ہو کر ۱۲۵۰ھ میں ختم ہوی اور وہ ۱۲۵۳ھ میں چھپکر شائع ہوا۔ اس تذکرہ میں اُس زمانہ کے شعرا کا اُردو کلام جمع کیا گیا ہے اور کلام سے پہلے ہر شاعر کا مختصر حال اور اُس کے کلام کی نسبت رائے فارسی زبان میں لکھی ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ اُردو کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہوا

تھا کہ اہل علم اُس کے ذریعہ سے اپنے خیالات کا اظہار کریں اس لیے جملہ تصانیف حتیٰ کہ باہمی خط و کتابت کا کام بھی فارسی ہی سے لیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ شیفتہ نے بھی اُردو تذکرہ میں شعرا کا حال لکھنے کے لیے فارسی زبان کو پسند کیا۔ شیفتہ کے زمانہ میں یا اُس کے قریب اور شعرا نے بھی تذکرے لکھے ہیں لیکن گلشنِ بیخار میں ایک خصوصیت نظر آتی ہے جو اوروں میں نہیں پائی جاتی وہ شعرا کے کلام پر آزادانہ نکتہ چینی ہے چونکہ اس سے پہلے لوگ تذکروں میں سوائے تعریف کے تنقید دیکھنے کے عادی نہ تھے اس لیے بعض شعرا کے مقلدین کو شیفتہ کی یہ طرز نہایت ناگوار گزری۔ نظیر اکبرآبادی کے ایک شاگرد نے یہاں تک کیا کہ تذکرہ گلشنِ بیخار کے جواب میں ایک نیا تذکرہ گلستانِ بیخزاں کے نام سے تصنیف کر ڈالا اور اُس میں یہ الزام کیا کہ نواب شیفتہ نے جن شعرا کے کلام کی نسبت اچھی رائے دی تھی اُنھوں نے اُن کی بُرائی لکھی اور شیفتہ نے جس کی نکتہ چینی کی تھی اُن کی تعریف کی۔ یعنی دن کو رات اور رات کو دن ثابت کرنے کی کوشش کی اور اب اس آخر زمانہ میں جبکہ فنِ تنقید سے ہماری زبان خاصی طرح روشناس ہو چکی ہے پروفیسر آزاد کے دلپسند[1] پیرانشا کی نسبت شیفتہ کی آزادانہ رائے دیکھکر

لہ پروفیسر آزاد کے الفاظ یہ ہیں: "نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کا گلشنِ بیخار جب دیکھتا ہوں (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر دیکھو)

کٹار کا زخم لگا ہی شیفتہ نے اگر سید انشا کی نسبت یہ لکھدیا کہ۔

"دیوانے وارد مشتمل بر اصناف سخن و ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرا نگفتہ۔ اما در شوخی طبع وجودت ذہنی او شکے نیست"

تو کیا گناہ کیا۔ مولانا آزاد نے سید انشا کی وکالت کا حق ادا کرتے ہوے دربار لکھنؤ کی حالت دکھا کر یہ ثابت کیا ہی کہ انشا ہزل گوئی پر مجبور تھے۔ گویا اس بات کو تسلیم کر لیا ہی کہ انشا کا کلام مجبوریوں کی وجہ سے ایسا ہوتا تھا جو پائے اعتبار سے ساقط سمجھا جاتا تھا۔ آخر میں انھوں نے اپنی بات کو میاں بیتاب کا یہ قول لکھکر ختم کیا ہے "سید انشا کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا"۔ شیفتہ نے بھی تو یہی کہا ہی۔ کہ

"ہیچ صنف را بطریقۂ راسخہ شعرا نگفتہ" اب رہی یہ بات کہ سید انشا نے دوسرے اساتذہ کے خلاف روش کیوں اختیار کی اس کے وجوہ لکھنے سے کلام کی نوعیت میں فرق نہیں آسکتا۔ اور اس لیے ایک بے لاگ تذکرہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۴) تو خار نہیں کٹار کا زخم دل پہ لگتا ہی (تذکرہ آب حیات صفحہ ۲۷۲)

نویس کو وجوہ کی تلاش میں سر کھپانے کی ضرورت نہ تھی۔ بہر حال تذکرہ گلشن بیخار کی بے لوث رائیں کسی خاص گروہ کی آنکھوں میں کھٹکیں لیکن وہ اپنی آزادانہ تنقید کی وجہ سے آج جبکہ اس کی اشاعت کو اسّی برس گذر چکے ہیں اُسی وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جس نظر سے اسے مرزا غالب[۵] جیسے شخص نے دیکھا تھا۔

برہ آورد اگر ہم نواب صاحب کے سفرنامہ حجاز کا ذکر نہ کریں جس کی مدد سے ہمیں آپ کی زندگی کے حالات معلوم ہوئے ہیں تو ناانصافی ہوگی یہ سفرنامہ موسومہ ترغیب السالک الی احسن المسالک یا "برہ آورد" فارسی زبان میں

---

۵ نواب صاحب نے اپنے مراسم کے لحاظ سے اس تذکرہ کا مسودہ چھپنے سے پہلے مرزا غالب کے دیکھنے کے لیے بھیجا تھا اس کو دیکھکر مرزا صاحب نے نواب صاحب کو جو خط لکھا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے اُسے کس قدر پسند کیا تھا۔ مرزا صاحب کے الفاظ یہ ہیں "تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامے را نقش و نگار است و نہال نکو سرانجامی را برگ و بار" مرزا صاحب نے اس تذکرہ کی تقریظ بھی لکھی تھی جس کا اقتباس یہ ہے "ہمانا نواب ہمایوں آثار والاشان و خان فرہیدہ فرہنگ پسندیدہ گفتار آزادہ و ارگرامی دانش اندوز وسخن گوی گرامی نہاد مبارک نفس دولت مہرپیشہ وفا گوہر نواب مصطفی خاں بہادر کہ گلبن خیالش بہ رشتہ بلبل است و چراغ فکرش پری پروانہ سخنش سرخوشی را بادہ بیغش و افسردگی را زہر ہلاہل نمش تفصوۃ گدہ مہرو نست بال و بہ آشوب گاہ رشک دشمن کاہ بہ فراہم آوردن تذکرہ ریختہ گویان قدسی انجمنی بہار آرا والا تار پود فیض ازل و حیات ابد نو آئین نمطے بدان بزم در افگندہ"

اس موقعہ پر مفتی صدر الدین صاحب کی تقریظ کا اقتباس بھی درج کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین ان دونوں مشاہیر کی رایوں کا اندازہ کر سکیں وہ لکھتے ہیں "وچگونہ چنیں نباشد کہ فراہم آمدہ وہ سرآمد (بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷ پر ملاحظہ ہو)

لکھا گیا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب جس طرح فن سخن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اسی طرح وقائع نگاری کے انداز کو بھی خوب جانتے تھے آپ کا سفرنامہ کس اصول پر لکھا گیا ہے اس کا حال آپ کے اس فقرہ سے معلوم ہوتا ہے جو سفرنامہ مذکور میں ایک بزرگ کے حالات دوران میں آپ نے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۶) سخنوران یعنی گلشن انتخاب مجموعہ کمال و ہنر شاہ بیت سفینہ قابلیت و استعداد بیت القصیدہ دیوان فضل و کمال خداداد فاتحہ صحیفہ کاملہ دولت و اقبال تشملہ نسخہ جامعہ محاسن شیم و مکارم خصال سواد خوانِ رموز و اسرار و سواد و بیاض گزین فیض بافتگان مبدار فیاض نسیم جانفزائے گلشن سخن طرازی بشمیم نافہ کشای گلہائے چمن نکتہ پردازی والا فطرت بلند ہمت پاک نہاد نیکو روش قدسی نژاد صفوۃ منش پاکیزہ طینت روشن ضمیر کامل فرہنگ عدیم النظیر فہم مجسم ادراک مشکل نواب مصطفےٰ خاں بہادر متخلص بہ شیفتہ است لآلی منثور سخن طرازان را از نظم او پایہ بلند است و ریاحین منشور نکتہ پردازان را از فراہمی او پایہ ارجمند" حضرت مومن نے اس تذکرہ کی داد ایک قطعہ تاریخ لکھ کر دی تھی جو یہ ہے:-

کیا تذکرہ شیفتہ نے لکھا — ہے شیفتہ جس کے جانِ معنے
یوں نکتہ شناس ہیں پر ایسا — کوئی نہیں قدر دانِ معنے
افکار بلند سے بنایا — چرخ پہ آسمانِ معنے !
ہر فقرۂ نثر جانِ مضمون — ہر شعر رواں روانِ معنے
کیا بات ہے منتخب کی تیری — اے منتخب جہانِ معنے
ہر لفظ انتخاب تیرا — خالِ رخ دلبرانِ معنے
تیرے جو سخن سے ہے سرافراز — الفاظ کا پایہ شانِ معنے
معنے ہیں ثنا طرازِ الفاظ — الفاظ ہیں مدح خوانِ معنے
اے تازہ بہار باغِ مضمون — اے گلشنِ بے خزانِ معنے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۸ پر ملاحظہ ہو)

تحریر فرمایا ہے "ایک کامل العقیدت صائب الرائے نے اُن کی خرق عادت کی ایک نقل میرے سامنے بیان کی میں نے تصد کیا کہ اس کو لکھوں لیکن چونکہ میری عادت میں عجائبات لکھنے میں بہت احتیاط ہے لہذا میری طبیعت نے مجھکو لکھنے سے باز رکھا"

آخری زمانہ میں جبکہ اُن کے ہمعصروں کا شمار رفتہ رفتہ کم ہوتا چلا جاتا تھا آپ نے عزلت گزینی اختیار کرلی تھی اور سوائے یاد الٰہی کے اور کچھ شغل نہ تھا اکثر مزارات پر حاضری کا معمول تھا چنانچہ سبزی منڈی دہلی میں ایک بڑے بزرگ کا مزار ہی جو حضرت شاہ آفاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب واقع ہے وہاں اکثر حاضر ہوا کرتے تھے اور حضرت شاہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷)

ہی تذکرہ ریاض فردوس + فردوس ہے یا جنانِ معنے
مومن نے جب اسمیں دیر تک کی + سیر گل و ضیمرانِ معنے
آیا ہی خیالِ سالِ اتمام + تھا وہ بھی تو باغبانِ معنے
غنچہ کی طرح سے سر فرو تھا + یک چند وہ ہمزبانِ معنے
جب نغمہ سرا نہو سکا وہ + دستان زن داستانِ معنے
ہاتف نے کہا ہو اس کی تاریخ + گلدستہ گلستانِ معنے
۱۲۵۰ھ

باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شاہ نورالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات پر اکثر تشریف لیجاتے تھے۔ یا دہلی کے مشہور علما سے صحبت رہتی تھی۔ دنیاوی معاملات سے قطعی دلچسپی باقی نہیں رہی تھی تمام ریاست کا کام اپنے فرزند اکبر نواب محمد علیخاں صاحب کے سپرد کردیا تھا۔ ہندو روسار دہلی آپ سے نہایت خلوص رکھتے تھے اور وہ آپ کو اپنے یہاں شادیوں میں باصرار بلاتے تھے لیکن جس وقت آپ تشریف لیجاتے تھے تمام ناچ رنگ موقوف ہوجاتا تھا۔

معاصرین کی رائیں نواب صاحب اور مرزا کی فارسی دیوانوں میں بعض غزلیں ایک ہی قافیہ ور دلیف میں ملتی ہیں جن کے مقطعوں میں دونوں نے ایک دوسرے کے کلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً نواب صاحب فرماتے ہیں۔

اے حسرتی ! امپرسن غالب کہ از غزل + آں کار می کند کہ بہ افسوں نہ کردہ کس

مرزا صاحب فرماتے ہیں۔

غالب ز حسرتی چہ سراید کہ در غزل + چوں او تلاش معنی و مضمون نہ کردہ کس

سچ تو یہ ہے کہ مرزا غالب نواب حسرتی کی سخن فہمی و سخن سنجی کے استاد معتقد تھے

کہ ان کے نزدیک نواب ممدوح کے پسند شعرا کے حسن و قبح کے معیار بھی فرماتے ہیں۔ ؎

غالب بہ فن گفتگو نازد بدیں ارزش کہ او ✤ ننوشت در دیوان غزل تا مصطفیٰ خاں خوش نہ کرد

مرزا غالب مرحوم کی پنج آہنگ میں اُن کے بعض رقعات[۱] ملتے ہیں جو اُنھوں نے

[۱] حضرت سلامت۔ مرا کہ زبان در ستایش بیقرار است و اندیشہ در سگالش گستاخ۔ امید کہ درآں پایہ بزمرۂ خوشامد گویاں شمردہ نشوم و بدیں مایۂ جرات بزہ مند نگردم۔ بنا میزد تذکرہ ترتیب یافتہ و مجموعہ فراہم آمدہ کہ پیش طاق بلند نامی را نقش و نگار است و نہال نکوسرانجامی را برگ و بار رہرو نظر چوں بہ پیدا ئے کنارِ ناپیدائے ذوق سخن گام تماشا بردارد توشۂ بہ ازیں بر کمر نتواند بست خضر با آنہمہ جگر تشنگی کہ سکندر داشت لبش برشحہ آبی تر نتوانست کرد و آں آب از دریا بخشیدن بود۔ شاگر وہی را از دور و نزدیک بسخن زندگانی جاوید بخشیدید و ایں لختی از عم بکار دیگراں کردنست جاوداں زندہ باشید کہ سخن گویاں از شما زندۂ جاوید شدند و ہمکنا نرا بہ نکوئی نام برآمد بارہی گہر نسفتن و تا ہمہ گوہریں نگشتن۔ نامہ در ردیف الف بنگارش اشعار پر دیں نثار حضرت آزردہ از چہ رو سمت ہرچند ذکر خدام بہ چنیں مقام درجریدۂ ایں فن نہ سزاوار شان فضیلت باشد لیکن اگر بمقتضائے فرط محبت چہ ای بکار میرفت گناہی نبود و در تلافی آں بپوزش نیاز می افتادو ہم در ردیف الف در باب گذارش حال حضرت آشوب فرو ماندۂ کشاکش خیالم یعنی بدانست نامہ نگار آشوب از اعیان سادات ایں دیار و نامش میر امداد علی و نام پدرش میر روشن علی خاں ست و دریں نسخہ بامداد علی بیگ مذکور شدہ چشم آں دارم کہ اندریں ہر دو باب بدل نشیں پاسخ نشاط اندوزم۔

(رقعہ دیگر بقیہ نوٹ میں صفحہ ۵۱ پر ملاحظہ ہو)

نواب صاحب مرحوم کے نام لکھے تھے ان خطوط میں نواب حسرتی کی شاعری اور سخن سنجی کے متعلق مرزا نے اپنے دلچسپ ریمارک دیے ہیں علاوہ ازیں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) "بنواب مصطفےٰ خاں بہادر۔

فرد ۔ مردم ز فرط ذوقِ تسلی نمی شوم ✦ یارب کجا برم لبِ خنجر ستائی را

سحرگاہے کہ دلم اندر دیشانہ چنانکہ مومن مہر پیشہ از رنج ہمسایہ در آزار باشد بیقرار بود و ستم از اشکم بیتابی دل رعشہ دار فرخندہ سروشی از در درآمد و بسپردن بہار ساماں نامہ گل بجیب تمنا ریخت ہرچند نامہ سپاس امید را کیمیا و دیدہ جان را توتیا آورد و تارک اقبال را افسر و پیکر آرزو را زیور بخشید۔ لیکن ازانجا کہ آں قدسی مفاوضہ از شعر و غزل چوں نامۂ اعمال زاہد از ذکرمی و شاہد سادہ بود دل سود ازدہ بداں نیا سود خمارم بداں یک دو جرعہ صہبا نشکست گفتم ہی ہی بمژدہ دیدارے کہ دل بہ نشاط آں تواں بستن و نہ کرشمۂ غزلی کہ لب بزمزمہ آں تواں کشودن۔ ہرچند در از لطفے خواہش درآغاز حال بجز وشم آوردہ بود و میخواست کہ خواہی نخواہی غبار نالہ بہ پردۂ گوش الہام نیوش نشاند۔ اما دور اندیشی فطرت باخودم در ستیزہ افگند و پس ازاں کہ برافتادن پردہ از روے کار و آشکار اگشتن راز نارسائی فہم و ناتمامی دانش من بہ ہم نفسانِ خاطر نشان من شد۔ مرا از آہنگ عربدہ باز آورد و مہر خموشی بر دہان نہاد"۔ .... (رقعہ دیگر)

"ولی نعمت طوطیان شکر خا سلامت۔ ہنوز گل افشانی گلبنِ التفات شش جہت را بہ غالیہ بیزی بوئے گل فرا گرفتہ بود یعنی نشاط ورود بہارین صحیفہ از دل بدر نرفتہ بود کہ نخل برومند لفظ در افشاندن بار آغاز کرد و رسیدن ہشت سبد انبہ در روضہائے فردوس بروی آرزو باز کرد زہے انبہ ہائے پاکیزہ شیریں ازبروں سو بشیر شستہ و از درون سو بشکر انباشتہ بتازگی آب از چشمۂ خضر و با دارندم مسیح خوردہ و بشیرینی گوے از شکر و دل از خسرو بردہ بہ پاکیزگی گوہر آب روے (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲ پر ملاحظہ ہو)

ان خطوط سے نواب صاحب ممدوح کی زندگی کے متعلق بھی بعض حالات پر

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۱) خانوادہ ابر وہوا۔ و بہ دلاویزی پیکر چشم و چراغ دودۂ برگ و نوا بر منبیاں تا ازیں گراں ارز ثمر دست مزد عرق ریزی سعی بجست و فتراز حساب زیاں زدگیہای روزگار گہر سازی نتوانست شست انگور اگر در ریشگی دانستی کہ آب کشتن و بادہ ناب کشتن دیگر است و چاشنی خدا آفرید ایں شیرۂ پاک دیگر ہرگز آب نخوردی و بار ننہادی تا دریں ساختگی ہردم در دسر ندادی نیشکر اگر در آغاز کار وا رسیدی کہ بگونہ گون فشار در آمدن و بسعی دیگراں بصورت تنگ شکر بر آمدن دیگر است و گوارائی ازل آوردہ۔ ایں میوہ نغز دیگر ہرگز سر از خاک بر نکردی و بامدازہ درازی بالائے خویش بخاک فرو رفتی تا دریں نمود اری بابلہی انگشت نما نشدی اینچہ خامہ شکر فشاں بداں رفتہ کہ ازیں ثمرہائے بیسرش یک نیمہ پختہ و نیمہ دیگر ہنوز خام است۔ سبحان اللہ اگر میوۂ طوبی در پختگی بدیں رنگ و در خامی ایں چنیں غالیہ فام است منِ خام کہ بہشتیان بہ بادۂ طہور نگرایند و سبز پوشان آں روضہ نتوانند کہ دل از ہیچکس بر بایند۔ گفتم اینچہ بہ پختگی زرد گردیدہ کرشمۂ کارسازی عنایت است کہ کار بے نوایان بفردا گذاشت و اینچہ پیش از رسیدن رسیدہ اشارہ بجوش گرمی ذوق است کہ درنگ در دلجوئی روا نداشت۔ دل گفت ہما نا اینچہ بہ پختگی زرد گردد نہایت شوق است کہ من بداں خرسندم و خورسندی من فراوان باد و اینچہ پیش از رسیدن رسد مژدۂ وصل است کہ من بداں آرزومندم و دوست مرا بر زباں باد فقط"۔ . . . . (رقعہ دیگر)

نامہ بنام نواب محمد مصطفیٰ خاں بہادر۔ جان را از تن سپاس و خواجہ را از بندہ نیایش۔ روز ادینہ چوں شب شد بزم سخن آراستند از آں روکہ غزل نگفتہ بودم از شرم تہیدستی پیر در پیش داشتم و رفتن بانجمن مضمونی بود کہ ہرگز بخاطرم نگذشت والاجاہ نواب ضیاء الدین خاں سلمہ اللہ تعالیٰ دو فرشتہ بر من گماشتند زین العابدین خاں عارف و غلام حسن خاں مجروح یعنی ایں ہر دو ابرام پیشہ شام گاہ بخلوت کدۂ تنہائی من آمدند و فیل آوردند و بداں ساں کہ شیر را چوں شکار کنند بر فیل بار کنند مرا بانجمن بردند۔ دیدار مخدوم و معظم و صدر اعظم مولوی صدر الدین خاں بہادر تلافی رنج راہ کرد بارے صرفہ رہروان در آں بود کہ مولانا صہبائی قدم رنجہ نفرمودہ بودند غزل مولانا صہبائی در زمین طرحی دو سہ بیت دلنشین داشت بالجملہ چوں غزلخوانی سر آمد گر بہ نام نمی آید در بحر ہزج مثمن سالم کردند از یاران بندہ میرزا زین العابدین خاں عارف و جواہر سنگھ جوہر در زمین طرح دو غزل خواندہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳ پر ملاحظہ ہو)

روشنی پڑتی ہے۔ سر سید[۱] احمد خاں مرحوم نے اپنی کتاب آثار الصنادید میں جہاں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۲) نقش نغز گوئی بکرسی نشانند۔ من بغزلی کہ ہمدراں روز گفتہ بودم زمزمہ سرائے آمدم۔ غزل۔
صبح شد خیز کہ رو داد اثر بنمایم ✣ چہرۂ آغشتہ بخونابِ جگر بنمایم فقط

نامہ نگار اسد اللہ نگاشتہ پنجشنبہ بست و سوم مارچ ہنگام نماز عصر کہ ابر قطرہ فشاں بود و ہوا تگرگ بار فقط امید گاہا۔ دی ادینہ روز بود دل ویدہ بزم سامعہ افروز۔ شامگاہ ہماں دو فرخ سروش از در درآمدند و مرا بانجمن بردند۔ میر نظام الدین ممنون و مولوی امام بخش صہبائی چوں رنجور بودند نیامدند کس بخدمت حضرت آزردہ فرستادہ شد اگرچہ دیر آمدند اما آمدند۔ دلم را صفا و زبانم را نوا بخشیدند۔ بندہ را در زمین گریستن نگارش قصیدہ اتفاق افتادہ بود۔ آں می سنجیدم کہ ورق را چوں برات نامقبول باز برم ریختہ گویان را در دسر ندہم۔ از آمدن حضرت آزردہ دل بخود بالید و زبان بزمزمہ دستوری یافت سحابی نیز ناخواندہ حاضر بود و در زمین گریستن غزلی انشا کردہ۔ چوں قصیدہ ما شنود خجل شد و از گفتۂ خود لختی خواندہ درگذشت۔ امروز در بند آں بودم کہ قصیدہ برورقے بنویسم بہ پرستاران در دولتکدہ فریسم تا نیمروز فرصت نگارش دست بہم نداد ہنگام نماز پیشین بود کہ سحابی و فتاح باہم آمدند آنرا اگر بہ در آستیں و ایں را گلدستہ در دست برید فرخندہ نامہ بمن سپرد و رفت و ابر باریدن آغاز کرد و ابر قطرہ می ریخت و من آرزوے نامہ گہر سنجیدم تا اینکہ کلبہ ام از آب و دامنم از گوہر نایاب پر شد زہے غزل و خوشا غزل پایہ ایں زمین را بآسماں بردہ اند و سخن را بنوازش زمینیان از آسمان فرود آوردہ سخن سرودن حق شماست اگر ابروے ستودن شما آشنا باشیم بر خود نازمی توانیم کرد زیادہ زیادہ فقط"

رشک طالب و فخر غالب سلامت۔ قصیدہ گریستن با آنکہ از دلم فرمان رسیدہ و از زبانم بدر نزادیدہ وہمچناں در دل جا دارد۔ بمشاہدہ غزلی کہ امروز بمن رسید ہم از دل رفت و ہم از نظر افتاد۔ زہے غزل و خوشا غزل اگرچہ نارسا بیان و کج مج زبانم۔ اما اگر ہر بیت را جداگانہ بیک قصیدہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۵۴ پر ملاحظہ ہو)

۱؎ سر سید مرحوم سے اور نواب صاحب سے ہمیشہ دوستانہ مراسم رہے علیگڑھ میں جب سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد سر سید نے رکھی تھی تو نواب صاحب بھی اس کے ممبر ہوئے تھے۔

شعراے دہلی کا ذکر کیا ہی - نواب صاحب کا کلام بھی لکھا ہی اور ان کی ثنا و صفت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۳) ستایم میتوانم آہ ازین مقطع و داد - ازین مقطع زبان ستایش این مقطع کراست با آنکہ در سخن ہوا خواہ و آفرین گوی شما ستم مرا بر شما بر شک آورد و جاودان مانید کہ پیکر سخن را جانید - درین مشاعرہ کہ گزشت خاک زمین گیر من غبار چشم ریختہ گویان نگشت - غزل خود یک ہفتہ پیش از روز غزلخوانی گفتہ - بخدمت حضرت آنندہ دام بقاءہ فرستادہ ام و سرآن داشتم کہ چوں بنامہ کامیاب گردم و آنرا پاسخ نگار شوم در نگارش ہماں غزل سرمایۂ من باشد امروز کہ اولا نامہ رسید ہمیں دم بپاسخ نگاری نشستم و تا ورق بپایان نرسید نان نخورم ✤ فرد - دیدم آں ہنگامہ بیجا خوف محشر داشتم ✤ خود ہماں شور است کاندر زیست در سر داشتم " والسلام "
(رقعہ دیگر نظم)
ناں خواجہ بے پروا ✤ من بندہ کہ غم ناکم ✤ وز غصہ جگر چاکم ✤ خواہم سخنی گفتن ✤ آنروز کہ میر فتند ✤ آں نامہ فرستادند ✤ کز دیدن آں خون شد ✤ دل تا جگر از اندوہ ✤ گفتم چہ کنم غالب ✤ چوں کار دگرگوں شد ✤ می بایدم اینک رفت ✤ تا عذر سخن خواہم ✤ چوں گرد و غباری بود ✤ رفتن نتوانستم ✤ امروز بشام آمد ✤ لابلکہ سیہ تر شد ✤ سرماندہ ببالین بر ✤ چوں غم زدگاں خفتم ✤ ہی ہی چہ تواند خفت - آں خستہ کہ غم خوارش - بر زخم نمک پاشد ✤ وز دیدہ بیدارش ✤ شورابہ رواں باشد - چوں از افق شرقی ✤ خورشید درخشندہ ✤ ناگاہ سری برزد ✤ آتش بجہاں در زد ✤ مرغ سحری پر زد ✤ رفتم بجگر کاوی ✤ واں راز نہانی را ✤ اندل بزبان دادم ✤ در خلوت تنہای ✤ بے پردہ چو ہمرازاں ✤ نے آمد و ہمدم شد ✤ چندانکہ دم اندنی ✤ از مہر دمیدم من ✤ چوں من بنوا آمد ✤ واں نالہ کہ برلب بود ✤ از باطن نے سرزد ✤ آندم کہ نفس باپی ✤ زیں گونہ کشاکش کرد ✤ یک کاغذ نہ نوشتہ ✤ بود است بدستم در ✤ چوں نالہ نمودی داشت ✤ زاں شعلہ کہ دودی داشت ✤ بر صفحہ نشانہا ماند ✤ گفتم مگر این صفحہ ✤ غمنامۂ رادستی ✤ فہرست نیارستی ✤ باید کہ فرو پیچم ✤ وانگہ بہ نشان ہندی ✤ نزد خواجہ رواں سازم ✤ کوتاہ کنم گفتن ✤ آں نامہ کہ من گفتم ✤ حجاب در دالا بردند و رواں کردند ✤ ہر چند در اندیشہ ✤ پیداست کہ خوش باشد ✤ با خواجگی استغنا - با این ہمہ خوش بنود ✤ پوزش نہ پذیرفتن ✤ دیروز سحرگاہاں ✤ روشن گہر آں نیر ✤ کش روح رواں دانم ✤ بل خوشتر از آں دانم ✤ دیوان نظامی را ✤ آورد بسوے من ✤ زیں گونہ نواہا بود ✤ در پردۂ گفتارش - کز ذوق بہنجارش ✤ این زمزمہ سر کردم ✤ والا گہر اکبر خاں خوانند سلام از من " فقط - (ماخوذ از پنج آہنگ غالب)

ہیں جو نثر لکھی ہی وہ اگرچہ مبالغہ شاعرانہ سے پُر اور خیالات کی بلند پروازی سے مملو ہی لیکن چونکہ وہ اگلے وقتوں کی اُردو زبان کا نمونہ ہی اور اس طرز کی اُردو میں غالباً سرسید کی یہ سب سے آخری تصنیف ہے اس لیے تبرکاً اس کا وہ اقتباس جو نواب صاحب کے متعلق ہے درج ذیل کرتے ہیں۔

"باوجود نازونعم و ثروت کے مشق سخن کو اس مرتبہ پر پہنچایا ہی کہ قلم تردد سے نہیں آسودہ ہوتا اور فکر تلاش سے بلبل کی سجع خوانی اور قمری کی فصیح بیانی انھیں کی نستعلیق گوئی سے مستفاد ہی۔ یہ پایہ فصاحت کا اور سرمایہ بلاغت کا خداداد ہی۔ اگر رنگینی مضامین کی گل کو رنگ۔ اور لطافت عبارت کے گوہر کو آب نہ دے۔ بلبل کا عشق کامل اور تاج سلاطین کی زینت تمام نہ ہو۔ انتخاب اُن کے کلام بلاغت نظام کا اس مقام پر سرمایۂ فرحت ارباب نظر ہی۔"

تذکرہ شعرائے ہند میں جو مولوی کریم الدین مرحوم نے ۱۲۶۳ھ ہجری میں تالیف کیا تھا نواب صاحب کا ذکر الفاظ ذیل میں کیا گیا ہی:-

"شیفتہ تخلص نواب مصطفےٰ خاں خلف الصدق عظیم الدولہ سرفراز الملک

نواب مرتضےٰ خاں بہادر کا ہی۔ یہ صاحب ذکی و ذہین ہیں۔ امرائے شاہجہان آباد سے بڑے امیر ہیں۔ شاگرد حکیم مومن خاں کے۔ اکثر اشعار ان کے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ایک تذکرہ گلشن بیخار انھوں نے شعرائے اُردو کا اس طور پر لکھا ہے کہ حال سب شاعروں کا فارسی میں شعر اُس کے اُردو ہیں۔

یہ تذکرہ سنہ ۱۲۵۰ھ ہجری میں تیار ہوا تھا۔ دو دفعہ مولوی محمد باقر کے چھاپہ خانہ میں چھپ چکا ہے۔ ایک دیوان بھی اُن کا میں نے سُنا ہی کہ تیار ہوا ہی"

تذکرہ گلستانِ سخن میں جو مولانا امام بخش صہبائی کے شاگرد شہزادہ مرزا قادر بخش صاحب کی تالیف سے ہی۔ نواب صاحب کا حال اس طرح لکھا گیا ہے۔

بہ درویشی ثنائے مصطفےٰ خاں مسکینی آرے ❊ خوشامد گو نہ تارے و حشمت درمیاں بینی

علوم رسمی سے کماینبغی آگاہ۔ اور فنون متداولہ میں کامل دستگاہ۔ اصنافِ سخن میں قدرت تمام۔ اور فنون شتّٰی میں مہارت تام کمال مرتبہ شناسی سے ہر سخن اپنے موقع میں اور ہر نکتہ اپنے مکان میں جلوہ گر جس طرح تیغ ہندی

ریختہ شاہدان شنگول کے غمزہ سے زیادہ تر ناخن بدل زن ہی۔ اسی طرح بادہ شیراز فارسی خوبان سیاہ مست کی چشم سے زیادہ تر خمار شکن ہی اور جیسے اُس تیغ آبدار کے سلح شور اس شہسوار ہنر کو شیفتہ نام سے مشہور کرتے ہیں۔ اس بادۂ صاف کے سرمست اُس مے گسار کمال کو حسرتی کے اسم سے مذکور کرتے ہیں۔ جو کثرتِ اوصاف مہرو ہاں اور وفور محامد بند زبان ہی۔ ناگزیر نظر بر اوصاف اور ذکر مدایح سے تحریر افکار گوہر نثار پر قناعت کرتا ہوں۔

وفات | ۱۸۶۹ء میں جبکہ عمر گرامی کا تریسٹھواں ۶۳ مرحلہ تھا آپ کا وصال ہوا اور دہلی میں حضرت سلطان المشائخ مولانا سید نظام الدین محبوب الٰہی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار میں اپنے جد امجد کے مزار کے قریب دفن ہوئے۔ ذیابیطس کا مرض پہلے سے تھا وقت آخر ہاتھ میں ایک کالا دانہ نکلا تھا وہی موت کا بہانہ ہوا۔ اپنا کفن بیت اللہ شریف سے ہمراہ لائے تھے اسی میں کفنائے گئے۔ وفات کے دن جس روز سفر آخرت درپیش تھا اعزا علاج میں مصروف تھے ڈاکٹر نے ایک نسخہ تجویز کیا جس میں پورٹ وائن شامل تھی جس وقت یہ نسخہ لکھا جارہا تھا نواب صاحب نے فوراً ہی آنکھ کھولی اور حاضرین سے کہا کہ میری روح کو اس وقت بڑا صدمہ ہورہا ہی۔ سچ بتاؤ کیا معاملہ ہی؟ اس پر صاحبزادہ محمد علیخاں صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم سے ایک گستاخی ہوئی ہی یعنی

ایک ایسا نسخہ لکھوایا گیا ہے جس میں پوٹ وائن شامل ہے فرمایا کہ "الحمد للہ! وقت پر اطلاع ہو گئی۔ اور موقعہ نہ ملا کہ اس نسخہ کا استعمال کیا جائے۔" اور یہ بھی فرمایا کہ تم اللہ کا شکر کرنا کہ اُس نے آخری وقت میں تمہارے باپ کو گمراہی سے بچا لیا۔ کہ اُسے اپنی صحت کے لیے احکام شرعی کی خلاف ورزی کا موقعہ نہ ملا۔"

آپکی وفات[۵] کی تاریخ کلام پاک (سورۂ دہر) کی اس آیت سے برآمد ہوتی ہے۔

"وَجزاھم بما صبروا جنۃ وحریرا" یہ مادہ تاریخ مولانا حالی مرحوم و مغفور نے اسی زمانہ میں نکالا تھا جو آپ کے مزار مبارک پر کندہ ہے۔ فقط خاکسار

نظامی بدایونی

۲۲۔ نومبر ۱۹۱۵ء

---

[۵] آپ کی وفات کے متعلق دیگر قطعات تاریخ ہمیں مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی پانی پتی مدظلہ سے ملے ہیں جو یہ ہیں۔

(از جناب خواجہ کرامت علی صاحب مرحوم انصاری پانی پتی)

چو رفت از جہاں مصطفےٰ خاں امیر ٭ کہ بود اصل پاکیزہ و پاک فرع

خداوند تقویٰ خداوند زہد ٭ فقیر آشنا سالک راہ شرع

شد از فوت آں بے سرو پا تمام ٭ وقار ۔ کریم ۔ بذل و ۔ تقویٰ و ۔ ورع

۸۰ ۲۷۰ ۸۰۶ ۱۰۶ ۲۰۰

۱۲۸۶ھ

(از جناب خواجہ امداد حسین صاحب مرحوم تخلص بہ مظہر پانی پتی)

چوں رئیس ابن رئیس نامدار ٭ کرد رحلت زیں جہان بے بقا

سال تاریخ وفاتش فی البدیہہ ٭ ملہم غیبی بمن کردہ عطا

کز سر ر ازی بباید گفت ایں ٭ رحمت حق بر محمد مصطفےٰ

۱۲۸۶ھ

کلام ریختہ پر ایک نظر

نواب صاحب کا دیوان ریختہ محض غزلیات کا ایک مختصر مجموعہ ہی اصناف نظم میں سے کوئی اور صنف اس میں نہیں ہی اس کی وجہ یہ ہی کہ آپ نے ریختہ کو اپنا خاص فن نہیں بنایا تھا کہ ہر صنف پر توجہ فرماتے۔ جو کچھ کہا گیا ہے صحبت احباب کا نتیجہ اور عہد شباب کا تحفہ ہی۔ جب سے حلقۂ صوفیہ باصفا میں داخل ہوے تو اشغال و افکار باطنی نے فکر سخن سے دل سرد کر دیا اور اس فن کو تضیع اوقات کا موجب سمجھنے لگے۔ اثنائے غزل میں کہیں کہیں قطعہ بند اشعار بھی آگئے ہیں ان میں سے دو قطعے یہ ہیں۔ جن سے بیان کی وسعت ظاہر ہوتی ہی اور سلسلۂ سخن ایسا مربوط ہے کہ جب تک نتیجہ نہیں سن لیتا سامع کی توجہ قائم رہتی ہی۔

(۱)

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز — تلوّن سے بھی تمکو مدّعا کیا
کبھی مجھپر عتاب بے سبب کیوں — کبھی بے وجہ غیروں سے وفا کیا
کبھی محفل میں وہ بے باکیاں کیوں — کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا
کبھی تمکین صولت آفریں کیوں — کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں
کبھی یہ غمزہ ہائے جاں فزا کیا

کبھی شعروں سے میرے نغمہ سازی
کبھی کہنا کہ یہ تم نے کہا کیا

کبھی بے جرم یہ آزردہ ہونا
کہ کیا طاقت جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر بہر تسکیں
پڑی ہم جلوہ ہائے دل ربا کیا

یہ سب طول اس نے سن کر بے تکلف
جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

(٢)

ساقی کو میکدہ میں سر ناؤ نوش ہی
صوفی کو خانقہ میں سر وجد و حال ہی

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز سے
معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شی کی معرفت
حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی
ہر بات منطقی کی مراؤ جدال ہی

ارباب حکمت نظری کو عمل نہیں
اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہی

جن کو کہ دست گاہ ہی فن نجوم میں
عمران کی صرف زائچہ ماہ و سال ہی

ہیں بعض لوگ در پی اسراف رات دن
بعضوں کو روز و شب سر توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخر نسب لذیذ
بعضوں کو ذوق دعوئ فضل و کمال ہی

مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے
منعم غریق لجۂ بیم و زوال ہی

جو ہیں حریص سیر چمن ان کو بزم میں
ذکر شجر کبھی کبھی فکر نہال ہی

جی میں کسی کے خواہش آرایش لباس
دل میں کسی کے حسرت جاہ جلال ہی

کوئی طلب میں اشہب گلگوں تنظیر کی
کوئی اسیر شوق شکار غزال ہی

کوئی فدائے قامت آفت خرام ہی
کوئی خراب نرگس جادو مثال ہی

ناحق کسی کو شکر کسی کو شکایتیں
بے وجہ کوئی خوش ہی کسی کو ملال ہی

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ
اس کا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہی

طرز مومن خانی

اگرچہ حضرت شیفتہ کو کلام ریختہ میں مومن خاں مرحوم سے نسبت تلمذ تھی لیکن انداز سخن میں استاد کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ایک طرز خاص رکھتے ہیں چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

نرالی سب سے ہی ای شیفتہ اپنی روش لیکن
کبھی دل میں ہوائے شیوہ ہای میر پھرتی ہی

پھر بھی استاد کی روش خاص ہیں جو کچھ فرمایا ہے وہاں دونوں کے کلام میں فرق

دشوار ہی۔

شمیمِ زلف یہی ہی تو وحشتِ دل نے
کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا

یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں
طولِ امل جواب ہی زلفِ دراز کا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی ہم رو دیا کیا

یاں سباحتِ تلاو ان گم اس عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

اُن سے نازک کو کہاں گرمیِ صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا اے طمعِ خام اپنا

اپنے جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

دامن تک اس کے ہائے نہ پہنچا کبھی وہ ہات
جس ہات نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

لگتی نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژۂ نیم باز کا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

اُس سے میں شکوہ کی جا شکرِ ستم کر آیا
کیا کروں تھا مرے دل میں سو زباں پر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

وہ صبح جلوہ جلوہ گرِ باغ تھا جو رات
مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزمِ دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تم کو سناؤں کیوں کر

وضع حفظ ہی تو عشرتِ صحبت معلوم — بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں

رنگیں ہی بیگناہوں کے خوں سے سوادِ شہر — حالانکہ واں ہنوز سرِ امتحاں نہیں

ہرچند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنّا — پہ آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

بے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھکر — یہ اہلِ مروّت ہیں تقاضا نہ کریں گے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے — کہا جو ڈر ہی مجھے ایسی مہربانی سے

تصوف

تصوف بھی مضامین غزل کا ایک دلاویز عنصر ہے - بعض شعرا اس مضمون میں تقلیداً و رسماً طبع آزمائی کرتے ہیں - لیکن حضرت شیفتہ کا یہ خاص مشرب ہی اور اس باب میں جو کچھ فرمایا ہی اُس سے رنگ تحقیق تراوش کرتا ہی غالباً کوئی غزل مضامین تصوف سے خالی نہیں - اُس میں سے چند شعر اس موقع پر پیش ناظرین ہیں -

پیمانِ ترک جاہ لیا پیر دہر نے — پیمانہ دے کے بادۂ عنبر شمیم کا

وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے — نہ رنگ ہی متغیر ہوا اہلِ تمکین[۱۵] کا

[۱۵] صوفیہ کرام کی اصطلاح میں اہلِ تمکین وہ ہیں کہ ایک حال پر قائم ہو جاتے ہیں اور اہلِ تلوین وہ ہیں جن کی حالت واردات کے موافق متغیر ہو جاتی ہے - ۱۲

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ فوق — ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

یاں خارِ خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا — ہاں عالمِ شہود ہے آئینہ ذات کا

کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے — غلط شوق ہے جنس نایاب کا

کل نغمہ گر جو مطربِ جادو ترانہ تھا — ہوش و حواس عقل و خرد کا پتا نہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے — آنکھوں میں نشہ اور لبوں پر ترانہ تھا

وجد کو زمزمۂ مرغِ سحر کافی ہے — شیفتہ نازِ مغنی و مزامیر نہ کھینچ

جو بات میکدے میں ہے اک اک زبان پہ — افسوس مدرسے میں ہے بالکل نہاں ہنوز

میکدہ یا میخانہ سے حلقۂ مردانِ خدا مراد ہوتا ہے اور میکش سے سالک اور مے و بادہ سے کیفیات قلبی - ۱۲

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر — لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پر وہ ماہ — مدہوش ہیں ملائکۂ آسماں ہنوز

اس شعر میں لفظاً کوئی صراحت نہیں لیکن حقیقت میں یہ نعت ہے رسول کریم صلعم کی - ۱۲

میخانہ میں تمام جوانی بسر ہوئی — لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی — کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

برق سے تجلیات جلال و جمال مراد ہیں اور خار و خس سے تعلقات کونی - ۱۲

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
وجد میں لائے اہلِ درد ہمیں
قسمت اُس کی خبر نہ ہو جس کو
اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہے الگ
پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
کچھ درد ہے مطربوں کی لَے میں
بدمست جہان ہو رہا ہے
میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں
مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
ڈر ہے کہ ہو نہ شوقِ مزامیر شیفتہ
جام مے دے کہ وہاں کام پڑا ہے مجھکو
ہم ہیں ایسے فراخ رو درویش
ہر شغل میں اہم ہے نگہبانیِ نفس
واقفِ اسرارِ معانی سے
ہم آئے ہیں جہاں سے اُسی کا خیال ہے

ملے گا بادہ کشوں سے نشان بادہ فروش
باد کے ساتھ خاک ہے رقاص
عام اس دور میں ہے بادۂ خاص
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نَے میں
ہے یار کی بو ہر ایک شے میں
بزمِ جم بارگاہِ کَے میں
کیا شرحِ حالتِ دلِ درد آشنا کروں
ورنہ کبھی سماع مجھ د سُنا کروں
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں
محفلِ بادشہ سے عار نہیں
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں
جز شاخ سدرہ ہم کو سرِ آشیاں نہیں

قطع نظر جو نقش و نگارِ جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

اُس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو بربط و عود و رباب میں

پائی ہی بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پہ بھی ہی تجلّی چراغ میں

حجابِ منظرِ مقصود ہی طلسمِ خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح یاب نہ ہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدے میں رند
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہ ہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا
جس شہر و دیہہ میں کہ سرائے مغاں نہ ہو

ای مرگ آ کہ میری بھی رہ جائے آبرو
باندھا ہی اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

کیا وہ متاع جس کے نہ ہو کوئی گھات میں
ڈرتا ہوں میں جو دزد پسِ کارواں نہ ہو

نغمہ پہ ورد ہی شورش سے افاقت معلوم
بادہ پُرزور ہی کیا نشہ کی شدت معلوم

جو کہ ہوا محو تجلّی ذات
خاکِ در اُس شخص کی اکسیر ہے

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر
دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا
شان ہی اُس کی کبریائی کی

راز پوشیدہ پوچھیے کس سے
نے خبر ہی جو باخبر کچھ ہی

پند و حکمت

حضرت شیفتہ کے کلام میں پند و حکمت کا عنصر بھی پایا جاتا ہے اور یہ قدما کی روش ہی۔

تم کو نہیں جو عُجب تعجب ہی شیفتہ
نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
منع کی حرص پر انسان ہوا ہی مجبول
یہ ہی نصیحتِ پیرانِ کار اُفتادہ
اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہی
واعظ کے قول خوب ہیں پر ان کے فعل خوب
فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہی

ہی فی زمانناً یہ سرشتِ کرام میں
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبت کم ہو
ناصحو! دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو
کہ بد بلا ہی جوانی ڈرو جوانی سے
بارگاہِ ثابت و سیّار سے
وہ اس سے سیکھ لیجے یہ ان کو سکھائیے
ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہ ہو

اُردو کے ساتھ عربی جملوں کو نظم کرنے کی قدرت

حضرت شیفتہ چونکہ عربی فارسی اور ریختہ تینوں زبانوں میں قدرت سخن گوئی رکھتے تھے۔ اس لیے کلام ریختہ میں کہیں کہیں عربی جملوں کی تضمین نہایت پُر لطف واقع ہوئی ہی اس روش میں بالکل خواجہ حافظ سے مماثلت پیدا ہو گئی۔ اور بعض

غزلوں میں برسم شعراء عرب محض قافیہ پر قناعت کی ہے۔

کیا مزا تم سے آشنائی کا	بیت	ماشئتم مداہنۃ الا خلاص
شیفتہ نے ہماری داد نہ دی	″	سچ ہے القاص لا یحب القاص
کیا کچھ وہاں سے منزل مقصود پاس ہے	″	یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال
ہم اگلے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں؟	″	اے خردہ گیر نحن رجال وہم رجال

حسن معانی

ضوابط نظم اور قواعد شعر سے بالاتر ایک حسن معنوی اور تاثیر مخفی ایسی ہوتی ہے جس کا لطف وجدان صحیح و ذوق سلیم ہی پا سکتا ہے۔ ایسے اشعار بھی حضرت ممدوح کے کلام میں جستہ جستہ نظر آتے ہیں۔

بے فائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا؟		اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا
اپنی محفل سے یہ آزردہ اٹھایا مجھکو		کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا
وہ مجھسے خفا ہے تو اسے یہ بھی ہے زیبا		پر شیفتہ میں اس سے خفا ہو نہیں سکتا
میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں		جفا میں نہیں دخل اسباب کا
صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو		صحرا کو جس کے جلوہ نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور یہی سب بناؤ ہیں
اس نے ہی کیا نگہ کو پُرفن بنا دیا

کھیل نہیں کچھ کہ دکھادوں تمھیں
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے

تکلیف شیفتہ ہوئی تم کو مگر حضور!
اس وقت اتفاق سے ہیں وہ عتاب میں

اُس نوبہارِ حُسن کو بدنام مت کرو
تھی شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

دھوکا مجھی کو صرف نہیں میل یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

کہوں میں کیا کہ کیا دردِ نہاں ہے؟
تمھارے پوچھنے ہی سے عیاں ہے

پہلا مصرعہ ایک معمولی بات ہے مگر دوسرے مصرعہ نے اُس کا رتبہ بہت ہی بلند کر دیا ہے۔ یعنی تمھارا پوچھنا ہی دردِ نہاں کی حقیقت کا ثبوت ہے۔ ۱۲

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتش گل
یہ کیسی آگ ہے دونی ہوئی جو پانی سے؟

اُن کی باتیں اُس نے بھی چھپ کر سنیں
آج ناصح کو نصیحت ہو گئی

شوخی و ظرافت

نواب صاحب کی طبیعت میں متانت و سنجیدگی کا مادہ زیادہ تھا۔ اس لیے شاعرانہ شوخی و ظرافت ان کے کلام میں کم پائی جاتی ہے۔ پھر بھی جو کچھ ہے

نہایت خوب ہے۔

وہ شیفتہ کہ دھوم تھی حضرت کے زہد کی — میں کیا کہوں کہ رات مجھے کس کے گھر ملے

جلد منگواؤ شرابِ گل رنگ — شیفتہ ساقیِ گل فام آیا

پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہے — مینا اٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا

اس شعر میں محض شاعرانہ شوخی ہی نہیں بلکہ ایک پہلو تصوف کا بھی ہے یعنی مینا سے وہ اذکار و اشغال مراد ہیں جو سالکانِ طریقت کے ذوق و شوق و وجدان کو بڑھاتے ہیں اور ان اشغال کا وقت قبل نماز صبح ہے۔

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام — بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا

کل تھی حالت رندی میں اس کو کیا یارو؟ — کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ؟

رند فارغ بھی ہوئے جام سحرگاہی سے — اور زاہد ابھی آہنگِ طہارت میں نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ سادے بھی ہوئے — باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

پیری میں سیرِ باغ کی تقریب شیفتہ — معشوقہ ساتھ ہے نہ خلل ہے دماغ میں

شیفتہ اک رند مشرب شخص ہے — کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی

شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر — دینداری و پارسائی کی

آخر کار مے پرست ہوا — شان ہے اس کی کبریائی کی

جس لب کے غیر بوسہ لیں اُس لب سے شیفتہ	کمبخت گالیاں بھی نہیں میرے واسطے

اس قطعہ میں منشائے شوخی محض لفظ پرست ہی جس سے صوفیہ کی اصطلاح میں کیفیات باطنی کا ذوق وشوق مقصود ہی - ۱۲

محاورہ بندی

بعض شعرا کے اشعار کی بنیاد محض محاورات پر ہوتی ہی اگرچہ نواب صاحب کا شیوہ خاص معاملہ بندی ہی لیکن جہاں کہیں محاورات و امثال کو باندھا ہے اس کی بندش بے تکلف اور بامزا ہی-

نہ دیا ہائے مجھے لذّتِ آزار نے چین	دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا
آپ جو سنتے رہے شب بزم میں	جان کو دشمن کی میں رو دیا کیا
میں کہینِ توبہ ہوں آپ لیکن کیا کروں	منہ میں بھر آتا ہی پانی -جام مینا دیکھکر
ہی شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار	گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ
بلبل کو بھی نہیں ہی دماغ صدائے گل	بگڑی ہی تیرے دور میں ایسی ہوائے گل
چراغ وقف محبت نے کر دیا افسوس	کہ مجھکو اپنے پرائے سبھی جلاتے ہیں
بوسۂ لب نہ مانگنا اے دل	منہ لگاتا ہے کون سائل کو

غیر سے کب ہوا ہی ترک کلام
باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے؟

ڈوب مرنے کی جگہ ہی غسل صحت ہجر میں
روئیے دیتا ہوں احبا کی مبارکباد سے

کیوں کر سے مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ذکر وصال غیر و شب ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے۔ ہمیں طعنے دیا کیے

شب کیا ٹھکانے اُس کو سے گزر کرتا ہی
انہو لو غیر بھی دل میں مرے گھر کرتا ہی

ناصح تری زبان ترے بس میں جب نہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے؟

دیوان فارسی ایک نظر

اس دیوان میں سات قصیدے۔ متعدد قطعے اور باقی تمام تر غزلیات ہیں۔ ان سات قصیدوں میں سے چھ قصیدے نعت سرور کائنات میں ہیں اور ایک جناب علی مرتضٰے کی منقبت میں۔

نواب صاحب نے امرا و ملوک کی مداحی کبھی نہیں کی۔ نہ ان کی طبیعت کے مناسب تھی۔ قصیدہ کا جو انداز رائج ہو گیا ہی وہ حقیقت میں بھٹئی ہے۔ نواب صاحب جیسے دیندار۔ صوفی منش۔ کی شان سے بعید تھا کہ شاعری کے اس میدان میں طبع آزمائی کرتے۔ نہ اُن کو صلہ کی حاجت تھی نہ شاہ و

امرا کی حضور میں رسوخ کی پروا۔ سیرِ سلوک باطن نے نام و نمود کی ہوس بھی مٹا دی تھی۔ لہذا اس صنف پر قلم نہ اُٹھانا بالکل بجا تھا۔

قصیدہ اول

گر سر بہ آشتی و مدارا بر آورم — پرخاش از سکندر و دارا بر آورم
از قید نہ رواقِ نگاریں بر آورم — یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا بر آورم
اول بآب چشمۂ کوثر وضو کنم — وانگہ نفس بنعت مزکّٰی بر آورم

قصیدہ دوم

رستم از ہجر و بمنزل گہِ جاناں رفتم — جانبِ گل کدہ از دشتِ مغیلاں رفتم
نورِ من شمع رہ خضر شد اندر ظلمات — گرچہ شبِ تار بسر چشمۂ حیواں رفتم
خود ندانی اثرِ فیض مزار شاد ست — کہ بہم پائیِ دل ناصیہ سایاں رفتم
آں بدریائے رسالت گہرِ یک دانہ — کہ ز فیضش نہ بدریوزۂ عماں رفتم

مطلع قصیدہ سوم

کارے بحسبِ خواہشِ دل و رہاں مخواہ	تغییر رسم کہنۂ ہفت آسماں مخواہ

مطلع قصیدۂ چہارم

اے در حسد بہ بزم تو از ساغر آفتاب	با آنکہ اشرف ست ز ہر اختر آفتاب

مطلع قصیدۂ پنجم

زیں بعد ما و در غمِ دل ناگریستن	گشت آشنائے نرگس شہلا گریستن

مطلع قصیدۂ ششم

نسیم صبح آمد سوے من از ساحتِ گلشن	پر از ریحان و گل جیب و آستین از لالہ و سوسن

مطلع قصیدۂ ہفتم

دوشش کاں رشکِ ماہِ کنعانی	ہم چو خور کرد پرتو افشانی
بحر جود و کرم علی کز کفش	در فشاند چو ابر نیسانی

غزلوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام میں سلاست، روانی۔

سنجیدگی۔ بندش کی چستی مشق و مہارت کا نتیجہ اور شیرینی و لطافت خدا داد کہ

معنوی نزاکت اور اسلوب بیان کی تازگی آپ کی فکر سلیم کا خاصہ ہی۔

افسوس ہی کہ اس زمانہ میں زبان فارسی کی کساد بازاری ہو گئی۔ ورنہ حسرتی

کے دیوان کی قدر و شہرت اساتذہ ماضی کے دواوین سے غالباً کم نہ ہوتی۔

بعض غزلوں کے مقطعے اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ نواب صاحب کو نظیری

کی روش بہت پسند تھی چنانچہ کہتے ہیں ؎

جز حسرتی بپایۂ او کس نمی رسد　　　در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسید

نظیری متاخرین میں غزل کا استاد مانا گیا ہے اور اُس کا کلام معنوی نزاکتوں

کے لیے مسلم ہی۔

مولانا حالی مرحوم فرماتے تھے کہ اواخر عمر میں نواب صاحب کو فکر سخن کا

اتفاق ہوتا تو خواجہ حافظ کی روش پر کہتے تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ یہ آخری کلام

دیوان میں داخل نہیں ہوا۔

زیادہ حصہ نواب صاحب کے کلام کا صوفیانہ خیالات سے پر ہی اور یہی آپ کی شہرت

خاص تھا۔ عاشقانہ اشعار جو غزل کی اصل و بنیاد ہیں ان میں بھی تصوف کا پہلو اکثر

اکثر نمایاں ہے بعض اشعار حکمت و موعظت یا اخلاق سے متعلق ہیں۔ البتہ شوخی و ظرافت کا مضمون شاذ ہے۔

بعض غزلوں میں ایک دو شعر صوفیانہ و عاشقانہ مذاق کے ایسے بھی ملتے ہیں جو مطالعہ کرنے والے کے دل پر وجد کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔ اور حقیقت میں یہی شاعری کا اعجاز ہے۔ مندرجہ ذیل اشعار مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں جن کے مطالعہ سے ناظرین یہ اندازہ کرسکیں گے کہ حسرتؔ اپنے جذبات اور خیالات کو نظم فارسی میں ظاہر کرنے پر اسی طرح قادر تھے جس طرح ریختہ میں فرماتے ہیں :—

اے فیضِ تو بکشودہ زباں ما بہ بیاں ہا	ص	حمدِ تو فرو بستہ بیاں ہا بزباں ہا
در پردہ چو بودی ہمہ در کتمِ عدم بود	=	اشباح (اجسام ہا) منور شدہ از لمعۂ جاں ہا
در دہر جز خرابات جاے دگر نیابی	ص	آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را
بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشان ست	ص	کسے نداد تسلی دل زلیخا را
مرید پیرِ مغاں شو کہ از اطاعتِ او	ص	گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را
دمی سوختہ ایں سخنِ نغز بمن گفت	=	کز آتشِ دل خشک کنی دامنِ تر را
خندہ چہ خوش شیوہ ایست از پس خشم و عتاب	ص	لذتِ دیگر دہد زخمِ نمک سود را

خلوت خوش است ساقی و مطرب بزم را	تصوف	از گل پیالہ خواہ و ز بلبل ترانہ را
آں پسِ سادہ رخاں را تکلف آئین است	نشتر	گر زینت نہ آرایشِ لباس مرا
بہ آبروئے محبت نگر کہ بنشاند	=	فراز مسندِ دیبا۔ بایں پلاس مرا
امشب کہ تکلفی نہ کردم	=	مہ ہست چراغ محفلِ ما
از رفتنِ ہر دوست شد آخر	=	کاشانۂ غیر۔ منزلِ ما

ہر کس کہ قتیل غمزہ اش شد
ای حسرتی! اوست قاتلِ ما

یہاں رشک و رقابت کا مضمون نہایت عمدہ الفاظ میں ادا ہوا ہے دوسرے معنے مذاق صوفیہ میں یہ ہو سکتے ہیں کہ "مقتول غمزۂ دوست ہی میرا قاتل ہو سکتا ہے۔ معنی اہل فنا ہی مرتبہ اہل فنا میں پہنچا سکتے ہیں۔

"اقتلونی اقتلونی۔ یا ثقاۃ
ان فی قتلی حیاۃ فی حیاۃ"

ما حسرتی! ز شیوۂ غالب گرفتہ ایم	ایہام	آمیختن بہ بادۂ صافی۔ گلاب را
وہ کہ زمارہ وانشد۔ کارِ کسے بزندگی	حسن تعلیل	کاش بہ رند بعدِ مرگ۔ بہرہ ز سنگ و خشت را
چشم از ہزار نازِ تو پوشد کسے چرا	نشتر	دل را بیک کرشمہ فروشد کسے چرا

	رحم ست بر کسے کہ دراں کوے می رود در دست نامۂ من و بر لب سلامِ ما	[illegible]
ملک پیکارِ دشمن را بسویش التجا آرد	[illegible]	اگر بند جراحت ہائے مژگانِ دراز ش را
اے بیخبر چہ فائدہ؟ از استراقِ سمع	[illegible]	بے حرف و صوت نیز بیا بد خبر مرا
رازِ نہفتہ گفتم اگر ساقیا! مرنج	=	می گفتمت کہ بادہ مدہ ایں قدر مرا
ز لالہ دیدنِ لالہ گرت ہوا ست بخواب	[illegible]	بہارِ قدرتِ صانع چو دیدن ست محسب
دُور نبود اگر آں مرد بسکنار رسد	[illegible]	کہ سر آمد رہ و پنداشت کہ آغازے ہست
آنچہ خواہند دبیابند۔ نخواہند آنرا	=	ایں سخن شمۂ از ہمتِ درویشان ست
پوشیدہ خورم بادہ و آہمہ کنم وجد	=	در اہلِ خرابات رہ و رسمِ ریا نیست
گر بامِ بلند است۔ کمندِ دگر آور	[illegible]	واماندگی از سعی روا نیست روا نیست
وبچارہ او کوش کہ دیوانہ ات امروز	[illegible]	از نگہتِ گل بوے ترا باز ندانست

یہ مضمون نہایت لطیف و تازہ ہے کہ عاشق دیوانہ بوے گل و بوئے یار میں

تمیز نہیں کرتا۔	=	
از بیم تو شب حسرتی نزاریمی کرد	[illegible]	زیں گونہ صدا ہا۔ کہ کس آواز ندانست
چشم وصل ست کہ می میرم و نتوانم مُرد	=	پاسِ راز ست کہ می سوزم و نتوانم سوخت

ذوقِ این زمزمہ از خویش بُرد نم آورد　　نصرتی　　می سرایند کہ دل دادہ و دلداریکی است

اضطرابِ دگر افزود۔ دلِ شیدا را　　=　　التفاتِ تو کہ ما نا بکارا رائے ہست

یعنی اہل عشق و محبت حصول مراد و مقصد سے نہایت خائف رہتے ہیں اور اسکو وادی عشق کے عقبات سے سمجھتے ہیں۔

مشاطہ را بگو کہ بہ بزم ہوس رود　　شفائی　　در چشمِ عشق زلفِ تو بے شانہ خوشتر است

یعنی ناظرین مناظر حسن و قدرت عاشق زار اور مصنوعی خوبیوں کے دلدادہ ہوس کار ہیں۔

کُشت او مرا و ہیچ شنیدی چگونہ کشت؟　　شفائی　　زاں پیشتر کہ تیغ کشد۔ خوں بہا گرفت

نگاہ کاوشِ غارتگرا افتاد　　=　　مسلمانانِ غمِ ایماں ضرور است

کار ہمت نہ باندازۂ طاقت باشد　　نظیری　　مرغِ بسمل شدہ را ہم سرِ پروازے ہست

دمِ جاں پرورِ او ہر چہ کہ دارد دانم　　=　　از ادب گرچہ نگوئیم کہ اعجازے ہست

دُردی کشاں چو سوئے خرابات رو کنند　　=　　اوّل بآبِ چشمۂ حیواں۔ وضو کنند

صد پردہ۔ بروے دوست ببستند　　=　　زان جملہ یکے۔ جمال باشد

جز من بزبانِ قتل۔ بقاتل دعا کہ کرد؟　　=　　گو مزد سہل بود۔ ولیکن ادا کہ کرد؟

پہلوے غیر بہ بزمش نکنم جائے کہ نیست　　شفائی　　چشم آنم کہ نگاہِ غلط انداز کند

فریاد ز تقوے کہ بہ نیروش نتواں رفت	عاشقانہ	آہ! از روشِ او کہ سرِ بام ندارد
فتنہ را از قدرِ رعنائے تو امداد رسد	=	چرخ را از نگہتِ نسخۂ بیداد رسد
طبعِ چالاکِ ترا می ببرِ خشم آورد	=	آہ! زاں لحظہ کہ آتش بکفِ باد رسد

گر بستی آں بہاراں - جلوہ گل یاد آورد
داغِ غمے گل گردد و - بلبل بفریاد آورد
خدایا! حشر برپا کن - بہنگامے کہ عاشق را
بدل حسرت - بگردن دشنہ - برلب آفریں باشد

قطعہ

حسرتی! ایں تازہ گل باشد نثارِ دوستی
بو کہ ما را از نسیم کوئے خود یاد آورد
غالب آں رنگیں نوا بلبل کہ ذوقِ نغمہ اش
عندلیبانِ گلستاں را - بفریاد آورد
میفروشد رائگاں در کوچۂ پیرِ مغاں
ہر متاعے را کہ دل از کوئے زہاد آورد

روزِ وصال ناز بمعشوقہ می کنم آرے چنیں کند کہ بدولت گدا رسد

یہاں منتہائے عشق سے جنر دی ہے کہ حبیب عاشق درجۂ محبوبیت پر فائز ہو جاتا ہے۔

جز حسانی بپایۂ اوبیش نمی رسد		در حیرتم کہ کار نظیری کجا رسد؟
بیا و طاعتِ مقبول را ببیمار بر		خلل بکارِ دعاہائے مستجاب انداز
گرت ہواست کہ چوں حسانی نوا سنجی		بزیرِ شاخ گلے۔ در قدح شراب انداز
چو یادِ دوست کنی۔ غیر را فراموش کن		چو نامِ عشق بری از سرِ شان برخیز
براں سرم کہ زہر نیک و بد کنارہ کنم		خورم شراب و رخِ نیکواں نظارہ کنم
بُتِ ہوائے مرا شیخ صومعہ بشکست		بیا کہ خدمتِ رندِ شراب خوارہ کنم

رند - اصطلاح صوفیہ میں ارباب فقر و فنا کو کہتے ہیں۔

شوقِ صد منصور را در جلوہ گاہ یار برد	[illegible]	ما ہماں در بندِ فالِ سبحۂ صد دانہ ایم
حسانی! عشقِ مجازی را حقیقی کردہ ایم	"	با ہوا نا آشنا و از ہوس بیگانہ ایم
باز م از رشک میاز ار کہ در محفلِ تو	"	خویش را دوش بصد حیلہ و فن آوردم
مرا بخشید و گاہے جز بدی نیکی ندید از من	[illegible]	نمیدانم۔ کدامیں جرم۔ ایزد برگزید از من
از پیش من رود بشتابی کہ فی المثل	[illegible]	یوسف ز ہفت کاخِ زلیخا بر آمدہ

از مردنِ خود نیست غم - امّا غم اینست	تصوف	گویند که معشوقِ تو اعجاز نداینست
اگرچه حسرتی! از اهلِ زهد و پرهیزم	=	ولے ز شاهدِ وے نیز احترازم نیست
از پئے صیدِ تو - صد دام بهر جائے هست	تجاہل عارفانہ	جرمِ من چیست؟ مرا نیز تمنائے هست
سحری بود طلب وعدهٔ واثق فرمود	=	می شناسد که کرا حدِ تقاضائے هست
جائے من تنگ - بهرِ جا ز رسوائیِ من	تصوف	جز خرابات که آنجا همه را جائے هست مجلس ارباب نقر سے مراد ہے

قطعہ

ضیمے - صبح بر امد بتفرج ز گنشت	تصوف	لبِ رفت من اُفتا د گزارے سرگشت
گفتمش کیستی؟ اینجا بچه کار آمدهٔ		اے رخ و طرهٔ تو سنبل و ریحانِ بهشت
گفت - دارم سخنی چند بپرسش در خور		خوب ورد هر چه آمده کمتر از زشت؟
گفتم - این سرِ ملوک است - بدینها مگرا ے		گفت سنجیدهٔ شمر وی سخن ای نیک سرشت
گفت - رمزے است خرد سوز که دارد بیتاب		التهاب شررِ او جگرِ خسته برشت
بر سر مورِ ضعیف اینهمه بار از چه شنا د؟		گفتمش ز آنکه دلِ خود بمحبت بسرشت
گفت من هم سخنِ نادره گفتن خواهم		گرچه طبعِ تو بگیتی سخنِ نغز نهشت
لطفِ او مومن و کافر نگزارد محروم		پرتو او به حرم - نگهت گیسو به کنشت

دوش ایں طرفہ غزل خاطرِ من انشا کرد
حسرتی - خامہ و آمد طلبید و بنوشت

مقابلہ و موازنہ کلامِ حسرتی - با کلامِ شعرائے دیگر

حسرتی

روے تو بسکہ بود پیش نظر ہر ساعت / می تواں دید مثالِ تو در آئینۂ ما

از پئے جلوۂ شوخی کہ پری عاجز اوست / شوقِ شوخیِ پری داشتہ در سینۂ ما

داغِ صہبا ریا - رونقِ پشمینۂ ما / مے در آدینہ بہ از طاعتِ آدینۂ ما

در حریمِ دلِ اصحابِ صفا - جا داریم / وائے آنکس کہ بود در دلِ او کینۂ ما

کار ساقی و مغنّی ہمہ می کرد - حبیب / حسرتی بود چہ خوش صحبتِ دوشینۂ ما

غالب

محو کن نقشِ دوئی از ورقِ سینۂ ما / ای ز آہت الف صیقلِ آئینہ ما

وقفِ تاراجِ غمِ تست - چہ پیدا چہ نہاں / ہمچو رنگ از رخِ ما رفت - دل از سینۂ ما

عرصہ بر الفتِ اغیار چہ تنگ آمدہ است / خوش فرو رفتہ مطیعِ تو خوشا کینۂ ما

غالب امشب ہمہ از دیدہ چکیدن دارد / خونِ دل بود مگر - بادۂ دوشینۂ ما

نظیری

آنکہ بر مارقمِ کیں زدہ از کینۂ ما   نقش آئینۂ خود دید در آئینۂ ما
عیدِ نوروز بود مکتبِ ما را ہر روز   بحثِ گزر و سینہ و آدینۂ ما
زاں زرا ہے کہ بدنبالۂ چشمت برسید   خوں فرو میچکد از خرقۂ پشمینۂ ما
طرفہ شورِ سحر از سینۂ نظیری برخاست   ساخت کارِ ہمہ را گریۂ دوشینۂ ما

حسرتی

امشب کم از قیامت ہنگامۂ ندیدم   فردا مگر بہ بینم دیدارِ آشنا را
در دہر جز خرابات جائے دگر نیابی   آنجا کہ خندہ آید بر بادشہ گدا را
بے مستیِ شبانہ لطفِ صبوح نبود   پیرِ مغاں سحرگہ ایں نکتہ گفت ما را

نظیری

در پردہ رہ ندادند وقتِ سخن صبا را   من نیک مے شناسم پیغامِ آشنا را
با فقر و ننگ و مستی شو مستِ عُجب و مستی   در کشورِ غیوراں نخوت کشد گدا را

حسرتی

بجز امید کہ ایمانِ عشق کیشاں است   کسے نداد تسلّی دلِ زلیخا را
مریدِ پیرِ مغاں شو کہ از اطاعتِ او   گزیر نیست جوانانِ بادہ پیما را

عجب ز نرگسِ مخمور او ست خود داری	حجاب و شرم کجا مستِ بے محابا را
ہزار شکوهٔ تلخ مرا فسرد و بُردی	بجانِ من ز نکہ آموختی مدارا را

نظیری

دراں نظارہ کہ بر تیغ و کف شعور نبود	ز رشک سوختہ بود آگہی زلیخا را
گر از ورع بگداز زاہداں قدح ندہند	چہ مانع است حریفانِ بادہ پیما را
گذشت شوق ز اندازہ۔ گوشۂ نظری	کہ مے خموش کند مستِ بے محابا را
نوازش عرضِ کرم می کند محبت نیست	تواں شناختن از دوستی مدارا را

حسرتی

اگر زاں طرۂ مشکیں صبا بو آورد ما را	برمِ صد خزینِ گل نذرِ سرہند و بخارا را
فلاطون فطنتاں از رازِ گیتی بیخبر رفتند	حکیمِ معنوی باید کشادِ ایں معمّا را

حافظ شیرازیؒ

اگر آں ترکِ شیرازی بدست آرد دلِ ما را	بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را
حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو	کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمّا را

حسرتی

اُفتاد رشحہ از لبِ ساقی بجامِ ما	مستی نمیرسد بخمارِ دوامِ ما

ساقی بہ بادہ - جادۂ ما رانشاں دہد		مطرب بنغمہ باز نماید مقامِ ما
نے دام خوش - نہ دانہ خوش - اما ز اتفاق		ہر بار شاہباز در افتد بدامِ ما
	نظیری	
مستی ربودہ از کفِ ہستی زمامِ ما		مطرب نمی دہد خبرے از مقامِ ما
خرمن بباد رفت دریں دشتِ پُر فریب		مرغ نشنود گوشۂ بالے - بدامِ ما
	حافظ شیرازی ؒ	
ما در پیالہ عکسِ رخِ یار دیدہ ایم		ای بیخبر از لذّتِ شربِ مدامِ ما
	حسرتی	
جاں بتن میدمد - ترانۂ ما		غم ز دل می برد فسانۂ ما
دیگرم نیست داوری باچرخ		گر ترا - آورد بخانۂ ما
حرفِ شیریں شود فراموشش	یغما	خسروار بشنود فسانۂ ما
کبکِ کہسار و - بلبلِ گلزار		گوش دارند بر ترانۂ ما
دیں فروشانِ - خانہ بردوشیم		دلق و دستار ماست - خانۂ ما
	حسرتی	
کام دہ بخش آمدہ از عشق مجوے		عیش مخصوص بکفرست ز ایماں مطلب

نظیری

فرض و سنت بتماشائے نوازیادم رفت
پردہ بردار و فگن از من ایمان مطلب

حسرتی

زلالہ دیدنِ لالہ گرت ہواست بخواب
بہارِ قدرتِ صانع چو دیدنست مخسپ

دمِ صلوٰۃ و صبوحی ست حسرتی برخیز
بہ نعمتِ دو جہاں گر رسیدنست مخسپ

غالب

نشانِ زندگیِ دل دویدنست بایست
جلائے آئینۂ چشم دیدنست مخسپ

بذکرِ مرگ شبی زندہ داشتن ذوقیست
گرت فسانۂ غالب شنیدنست مخسپ

حسرت

ہمانکہ منعِ من از بادہ مے نمود مدام
شبش بمیکدہ دیدم کہ غافل افتادہ است

دلت بحسنِ بتاں از چہ مائل افتادہ است
بغیر ہستیِ حق ہرچہ باطل افتادہ است

بشب چو مہر بیاید سحر چو با درود
فغاں کہ مہر مرا برق حاصل افتادہ است

ہر آنکہ یافت ز اہلِ صفا نظر داند
کہ انکشافِ حقیقت چہ مشکل افتادہ است

دعا بکعبہ پذیرند لیک حیرانم
امیدوار ز میخانہ سائل افتادہ است

خرد ز مانہ بشرحِ کمال نقصانش
کہ حسرتی بفنِ خویش کامل افتادہ است

نظیری

شکستہ بر ورقِ جبہہ تو خامہ حکیم
کہ ابروانِ ترا عقدہ مشکل افتادہ است

بیکے بگو بہ غریبانِ شہر سیری کن
ببین کہ نقشِ امل ہا چہ باطل افتادہ است

گدا ے پیرِ مغاں شو کہ پادشاہ و فقیر
بر آستانۂ میخانہ سائل افتادہ است

غالب

زمن گسستی و پیوند مشکل افتادہ است
مرا بگیر بخونے کہ در دل افتادہ است

حسرتی

چہ خوش است با تو بزمے بنہفتہ ساز کردن
درِ خانہ بند کردن سرِ شیشہ باز کردن

تو و رقص و می پرستی من و وجد و جوشِ مستی
تو و نغمہ ہائے دلکش من و نالہ ساز کردن

سرِ من فدائے نازت ز عدو دگر چہ خواہی
تو و عشوہ ساز کردن من و دل نیاز کردن

دلِ زاہداں بنجال بنہفتہ حسرتی خور
تو اگر نمی توانی ز مے احتراز کردن

بیخود

چہ خوش است از دو یکدل سرِ حرف باز کردن
سخنِ گذشتہ گفتن گلہ را دراز کردن

تو اگر بجور سوزی ز جفا کشاں نیاید
بجز از دعائے جانت ز سرِ نیاز کردن

بچناں گرفتہ جا بہ نیا جانِ شیریں
کہ نتواں ترا و جاں را ز ہم امتیاز کردن

ز خمارِ مے ندارم سرِ و برگ سجدہ و بیت
دل و خاطرِ پریشاں نتواں نماز کردن

تو بخویشتن چه کردی که بما کنی نظیری	بخدا که واجب آمد ز تو احتراز کردن

غالب

چه غم ار به بدگرفتی ز من احتراز کردن	نتوان گرفت از من بگزشته ناز کردن
تو و در کنار شوقم گره از جبیں کشودن	من و سرخ دو عالم در دل فراز کردن
بفشار رشکِ برت نجپاں گداخت گلشن	که میانه گل و مل رسد امتیاز کردن
هله تا تازه گشته غالب روش نظیری از تو	سزد ار چنیں غزل را بسفینه ساز کردن

حسرتی

تا کجا بر طمعِ وصل شکر خند کنی	عشق آمیختهٔ زهر هوس چند کنی
بنده را نیست بمیلانِ طبیعت کاری	کار ها بر نمطِ امرِ خداوند کنی
ای محبت ز تو خوش بوالعجبی ها آمد	طفل را فتنهٔ پیرانِ خردمند کنی
سعی در کار نما و به جهاں کار مدار	دو جهاں از تو اگر کار رهاں بند کنی

نظیری

بهتر از صحبتِ ارباب خرد بگزینی	ترک هم بزمی پر شور و سر چند کنی
خجل از کردهٔ خود تا نشوی می باید	حلم را ابر غضب و خشم خداوند کنی
طبع نادانِ سبکسار نگیرے هرگز	وزنِ خود راست بمیزان خردمند کنی

ہم نے سطور بالا میں غالبؔ، نظیریؔ اور حافظ شیرازی کی چند ہم طرح غزلوں کو حسرتی کے کلام کے مقابلہ میں صرف اس خیال سے پیش کیا ہی کہ نکتہ رس طبائع مختلف شعرا کی جولانیٔ طبع کو ایک ہی زمین میں دیکھکر لطف حاصل کریں اور ارباب ذوقِ سلیم موازنہ کریں کہ سب سے پچھلا سخنور جو میدان سخن میں آیا ہے اُس نے اپنے متقدمین کی روش کو کس درجہ ترقی دی ہی اور باوجود ہندوستانی نژاد ہونے کے فارسی زبان پر اُس کو کس قدر قدرت حاصل ہی۔ فقط

تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خواہاں ہوں بوئے باغِ تنزہ شمیم کا
یارب ادھر بھی بھیجدے جھونکا نسیم کا

تیرے گدا کو سلطنتِ جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

نیرنگ جلوہ بارقۂ ہوش سوز ہے
کیا امتیاز رنگ سے تیجے شمیم کا

تیری نسیم لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا

واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خلل آگیں حکیم کا

دقّت سے پہلے عجز سلامت کی راہ ہے
کیسا سپاسدار ہوں عقلِ سلیم کا

میری فنا ہے مشغلۂ محفلِ بقا
پروانہ ہوں میں پرتوِ شمع قدیم کا

گر تیرے شوق میں ہیں یہی بیقراریاں
لے لوں گا بوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا

طاعت اگر نہیں تو نہو یاس کس لیے
وابستہ سبب ہے کرم کب کریم کا

جس وقت تیرے لطف کے دریا کو جوش آئے
فوّارۂ جناں ہو زبانہ جحیم کا

اے شیفتہ عذابِ جہنّم سے کیا مجھے
میں امتی ہوں نار و جناں کی قسیم کا

بے فیضِ عام شیوہ کہاں تھا نسیم کا
آخر غلام ہوں میں تمھارا قدیم کا

پیمانِ ترکِ جاہ لیا پیرِ دیر نے
پیمانہ دیکے بادۂ عنبر شمیم کا

کیا ڈھونڈھتی ہے قوم کہ آنکھوں میں قوم کی
خلدِ بریں ہے طبقۂ اسفل جحیم کا

اس شوخ کج ادا سے نہ آئی موافقت
کیونکر گلہ نہو مجھے طبعِ سلیم کا

شکوے یہ اب جو ہوتے ہیں باہم نئے نہیں
انداز ہم میں اُن میں یہی ہے قدیم کا

اُس وقت ہم گنے گئے احبابِ خاص میں
آیا جو تذکرہ کبھی لطفِ عمیم کا

بدمستیاں کبھی کبھی مستوری و عفاف
دستور ہے طبیعتِ نامستقیم کا

اُس رشکِ گل کی بسترِ گل سے ہی احتراز
ممنون ہوں عدو کے مزاجِ سقیم کا

اے جانِ بیقرار ذرا صبر چاہیے
بیشک ادھر بھی آئیگا جھونکا نسیم کا

جسکی سرشت صاف نہو آدمی نہیں
نیرنگ و عشوہ کام ہے دیوِ رجیم کا

اب جستجو ہی اُن کو ہماری تو کیا حصول
باقی نہیں اثر بھی عظامِ رمیم کا

عاشق بھی ہم ہوئے تو عجب شخص کے ہوئے
جو ایک دم میں خون کرے سو ندیم کا

ہم نے کئے قواعدِ وحشت جو منضبط
اہلِ جنوں میں ہمکو لقب ہے حکیم کا

ہے کارنامہ جب سے بیاض اپنی شیفتہ
تقویم سال رفتہ ہے دیوان کلیم کا

جب سے عطا ہوا ہمیں خلعت حیات کا
کچھ اور رنگ ڈھنگ ہوا کائنات کا

شیشہ اُتار شکوے کو بالائے طاق رکھ
کیا اعتبار زندگی بے ثبات کا

لڑتے ہو جب رقیب سے کرتے ہو مجھ سے صلح
مشتاق یہاں نہیں کوئی اس التفات کا

گر تیرے تشنہ کام کو دے خضر مرتے دم
پانی ہو خشک چشمۂ آب حیات کا

یہاں خار و خس کو بے ادبی سے نہ دیکھنا
ہاں عالم شہود ہے آئینہ ذات کا

کہتے ہیں جان جانتے ہیں بیوفا مجھے
کیا اعتبار ہے اُنھیں دشمن کی بات کا

واعظ جنوں زدوں سے نہیں باز پُرس حشر
بس آپ فکر کیجئے اپنی نجات کا

جوش سرشک خوں کے سبب سے دم رقم
نامہ نہیں رہا یہ ورق ہے برات کا

اے مرگ آکہ میری بھی رہجائے آبرو
رکھا ہے اُس نے سوگ عدو کی وفات کا

لیسے کے آگے شیفتہ کیا چل سکے جہاں
احسان ایک عمر ہے ایک رات کا

کیا فائدہ نصیحت ناسود مند کا
کیا خوب پند گو بھی ہے محتاج پند کا

جب میں نہیں پسند تو پھر اور آ چکی
عاشق ہوں اُسکی خاطر مشکل پسند کا

اے بادِ صبح تا بہ کجا اہتزازِ گل
گوشہ اُلٹ دے یار کے منہ سے پرند کا

اُس ماہ وش کو غیر سیہ رو سے کام کیا
ہی فیض اپنے اخترِ بختِ نژند کا

اُس کوچہ میں ہی عزت خسرو گدا سے کم
کیوں ناز مستمند سہی ارجمند کا

نالہ تو نارسا نہیں کیونکہ گلہ کروں
ہیں شکوہ سنج ہوں پہ تیرے کاخِ بلند کا

دیوان کو ہمارے بتوں کی نگاہ میں
اے **شیفتہ** وہ رتبہ ہی جو بید و زند کا

کچھ انتظار مجھکو نہ می کا نہ ساز کا
ناچار ہوں کہ حکم نہیں کشفِ راز کا

لگتے نہیں پلک سے پلک جو تمام شب
ہی ایک شعبدہ مژہ نیم باز کا

دشمن پہ ہے صبوح جگاتے ہیں یار کو
یہ وقت ہی نسیم سحر اہتزاز کا

ایمن ہیں اہلِ جذبہ کہ رہبر ہی اُنکے ساتھ
سالک کو ہی خیال نشیب و فراز کا

پھنسنے کے بعد بھی ہے وہی دلشگفتگی
کیا خوب جال ہے نگہ جاں نواز کا

تقوی مرا شعار ہی عصمت سرشت دوست
پھر مجھسے کونسا ہی سبب احتراز کا

بارے عجیب بات تو پھیلی جہان میں
پایا کسی نے گو ثمر افشائے راز کا

ساقی کے ہیں اگر یہی الطاف کیا عجب
ارض و سما میں ہوش نہو امتیاز کا

پیرِ مغاں نے رات کو وہ کچھ دکھا دیا
ہرگز رہا نہ دھیان بھی حسنِ مجاز کا

دیتا ہے داغ رشک پرندِ سپہر کو | جلوہ تمہاری معجزِ گوہر طراز کا
پانی وضو کو لاؤ رخِ شمع زرد ہی | مینا اُٹھاؤ وقت اب آیا نماز کا
یکتا کسی کو ہم نے نہ دیکھا جہان میں | طولِ اَمل جواب ہی زلفِ دراز کا

جورِ اجل کو شوخیٔ بیجا کہا کیا
تھا محو شیفتہ جو کسی مستِ ناز کا

نہ اس زمانہ میں چرچا ہی دانش و دیں کا | نہ شوق شعرِ تر و بذلہ ہائے رنگیں کا
شمیم زلف بھی ہی تو وحشتِ دل نے | کب انتظار کیا موسمِ ریاحیں کا
بنات نعش نے کس سے وہ اٹھا رکھیں | نہیں ستارہ گہر خاندان پہ دیں کا
ازل میں دیکھتے ہی ہم سخن کو سمجھے تھے | کہ مشتری نہیں اس گوہرِ نو آئیں کا
تمنا ہی نہایت خلافِ شیوۂ عشق | غلط ہی شوق ہمیں گریہ ہائے رنگیں کا
وہ طرفہ حال کہ جس سے جماد رقص کرے | نہ رنگ بھی متغیّر ہوا اہلِ تمکیں کا
ہزار مرتبہ فرہاد جان شیریں دے | وہی ہی حق نمکِ عشوہ ہائے شیریں کا

عجیب حال میں ہی شیفتہ معاف کرو
جو کچھ قصور بھی ہو اس غلامِ دیریں کا

ہائے اُس سوزِ نہانسوز پہ آنا دل کا | سمجھے جو گرمیٔ ہنگامہ جلانا دل کا

ہی تیرا سلسلۂ زلف بھی کتنا دلبند
پھنسنے سے پہلے بھی مشکل تھا چھٹانا دل کا

دیکھتے ہم بھی کہ آرام سے سوتے کیونکر
نہ سُنا تم نے کبھی ہائے فسانا دل کا

ہمسے پوچھیں کہ اسی کھیل میں کھوئی ہی عمر
کھیل جو لوگ سمجھتے ہیں لگانا دل کا

عاقبت چاہِ ذقن میں خبر اُس کی پائی
مدتوں سے نہیں لگتا تھا ٹھکانا دل کا

کس طرح درد محبت میں جتاؤں اُس کو
بھید لڑکوں سے نہیں کہتے ہیں دانا دل کا

ہم یہ سمجھے تھے کہ آرام سے تم رکھو گے
لائیے تمکو ہی منظور ستانا دل کا

ہم بھی کیا سادے ہیں کیا کیا ہیں توقع اُس سے
آجتک جس نے ذرا حال نہ جانا دل کا

جلوہ گاہ غم و شادی دل و شادی کمیاب
کیوں نہو شکوہ سرا ایک زمانا دل کا

شکل مانند پری اور یہ افسوں وفا
آدمی کا نہیں مقدور بچانا دل کا

شیفتہ ضبط کرو ایسی ہی کیا بیتابی
جو کوئی ہو تمہیں احوال سُنانا دل کا

ہم پر ہے التفات ہمارے حبیب کا
گیرا نگہ نہیں ہی نفس عندلیب کا

اب وہ ہی جلوہ ریز لباسِ پاس میں
جو عہد کو دکی ہیں گلہ تھا نصیب کا

اچھا جو اس کو سونگھے تو آجائے اُسکو غش
اچھا اثر ہے زلف معنبر کی طبیب کا

تیری گلی سے آگے نہ ہرگز ہوا چلے
کوچہ ہے تیرے پاؤں نہ اُٹھے غریب کا

مصروف ہی بہت وہ ہمارے علاج میں
ہم بھی ذرا علاج کریں گے طبیب کا

تسلیم سے وفا رضا سے ہی اتفاق
نے چرخ کا گلہ نہ گلہ ہے نصیب کا

ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے نہیں کیا کریں
اُس بزم میں ہی دخل سراسر رقیب کا

ہوجائے کاسہ لیس شگرفانِ میکدہ
جسکو کہ اشتیاق ہی حالِ عجیب کا

سنتے ہی نام دشمن صد سالہ ہو گیا
پوچھا جو مجھ سے نام کسی نے حبیب کا

اُس رشک گل نے لی ہی جو بلبل تو شیفتہ
دیکھے چمن میں شور کوئی عندلیب کا

محو ہوں میں جو اُس ستمگر کا
ہے گلہ اپنے حالِ ابتر کا

حال لکھتا ہوں جانِ مضطر کا
رگِ بسمل ہے تار مسطر کا

آنکھ پھرنے سے تیرے مجھکو ہوا
گردشِ دہر دورِ ساغر کا

شعلہ رو یار شعلہ رنگ شراب
کام یہاں کیا ہے دامنِ تر کا

شوق کو آج بیقراری ہے
اور وعدہ ہے روزِ محشر کا

نقش تسخیر غیر کو اُس نے
خوں لیا تو مرے کبوتر کا

میری ناکامی سے فلک کو حصول
کام ہے یہ اُسی ستمگر کا

اُس نے عاشق لکھا عدو کو لقب
ہائے لکھا مرے مقدر کا

آپ سے لحظہ لحظہ جاتے ہو
شیفتہ ہے خیال کس گھر کا

سب حوصلہ جو صرف ہوا جورِ یار کا
مجھ پر گلہ رہا ستمِ روزگار کا

تھا کیا ہجوم پھر نہ یارب ہزار کا
گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

جور و جفا بھی غیر پہ اے یارِ دلشکن
کچھ بھی خیال ہے دلِ امیدوار کا

کھُلنے لگے ہیں از سرِ نو غنچہائے زخم
یہ فیض ہے صبا کی دمِ مشکبار کا

گر چاہتے ہو جامہ نہو چاک ناصحو
منگوا دو پیرہن مجھے اُس گلعذار کا

ہر کوچہ میں کھلی ہے جو دُکان می فروش
کیا فضل ہے شراب کی موسم بہار کا

گھبرا کے اور غیر کے پہلو سے لگ گئے
دیکھا اثر یہ نالۂ بے اختیار کا

وہ آتے آتے غیر کے کہنے سے تھم گئے
اب کیا کروں علاج دلِ بیقرار کا

آزاد ہے عذاب دو عالم سے شیفتہ
جو ہے اسیر سلسلۂ تابدار کا

اُس بزم میں ہر چیز سے کمتر نظر آیا
وہ حسن کہ خورشید کے عہدے سے بر آیا

بیفائدہ ہے وہم کہ کیوں بے خبر آیا
اس راہ سے جاتا تھا ہمارے بھی گھر آیا

کچھ دور نہیں اُن سے کہ نیرنج بتا دیں
کیا فائدہ گر آنکھ سے لختِ جگر آیا

گو کچھ نہ کہا پر ہوئے دل میں متاثر
شکوہ جو زباں پر مری آشفتہ تر آیا

بے طاقتیٔ شوق سے میں اٹھ ہی چکا تھا
ناگاہ وہ بیتاب مری قبر پر آیا

بے قدر ہے مفلس شجرِ خشک کی مانند
یہاں درہم و دینار ہیں برگ و ثمر آیا

حالِ دلِ صد چاک پہ کٹتا ہے کلیجا
ہر پارہ اک الماس کا ٹکڑا نظر آیا

دیکھے کہ جدائی میں ہے کیا حال وہ بدظن
اس واسطے شب گھر میں مرے بے خبر آیا

کیا دیر ہے ای ساقیٔ گلفام سحر ہے
کیا عذر ہے ای زاہدِ خشک ابر تر آیا

روداد میں ہیں شفیقؔ کے مختلف اقوال
پوچھیں گے وہاں سے جو کوئی معتبر آیا

جب رقیبوں کا ستم یاد آیا
کچھ تمہارا بھی کرم یاد آیا

کب ہمیں حاجتِ پرہیز پڑی
غم نہ کھایا تھا کہ سم یاد آیا

نہ لکھا خط کہ خطِ پیشانی
مجھکو ہنگامِ رقم یاد آیا

شعلۂ زخم سے ای صید فگن
داغِ آہوئے حرم یاد آیا

ٹھہرے کیا دل کہ تری شوخی سے
اضطرابِ پئے رم یاد آیا

خوبیٔ بخت کہ پیمانِ عدو
اس کو ہنگامِ قسم یاد آیا

کھل گئی غیر سے الفت اسکی
جامِ مے سے مجھے جم یاد آیا

وہ مرا دل ہے کہ خود بینوں کو
دیکھ کر آئنہ کم یاد آیا

کس لیے لطف کی باتیں ہیں پھر
کیا کوئی اور ستم یاد آیا

ایسے خود رفتہ ہوا ہے شیفتہ کیوں
کہیں اُس شوخ کا رم یاد آیا

قبر پہ وہ بت گلفام آیا
بارے مرنا تو مرے کام آیا

دو قدم یہاں سے وہ کوچہ ہی مگر
نامہ بر صبح گیا شام آیا

مر گئے پر نہ گیا رنج کہ وہ
گور پر آئے تو آرام آیا

خیر باد اے ہوس کام کہ اب
دل میں شوق بت خودکام آیا

شمع کی طرح اُٹھے ہم بھی جب
دشمن تیرہ سر انجام آیا

جب مری آہ فلک پہ پہنچی
تب وہ مغرور سر بام آیا

جلد منگواؤ شراب گلرنگ
شیفتہ ساقی گلفام آیا

اُس سے ہیں شکوہ کی جا شاد ستم گر آیا
کیا کروں تھام کے دل میں سو زباں پر آیا

تیرے سے اُٹھ کے بھی دھیان مکرر آیا
وہ تو آئے نہیں پر آپ میں کیونکر آیا

وعدہ کس شخص کا اور وہ بھی نہایت کچا
ہم کبھی کیا اُٹھے یاں سے کچھ ہمیں یاد آیا

مجھ سے وہ صلح کو اس شان سے آئے گویا
جنگ کے واسطے دارا سے سکندر آیا

جذبۂ شوق کی تاثیر اسے کہتے ہیں
سن کے قاصد کی خبر آپ وہ در پہ آیا

خاک ہونے کا مرے ذکر نہ آیا ہو کہیں
آج اس بزم سے کچھ غیر مکدر آیا

اڑ گئے ہوش کہ پیغام اجل ہی یہ جواب
کوچۂ یار سے زخمی جو کبوتر آیا

دلِ صد چاک میں ہے کاکلِ مشکیں کا خیال
کہ مجھے گریہ جو آیا تو معطر آیا

اے اجل نیم نگہ کی تو مجھے مہلت دے
اہلِ ماتم ہیں یہ چلاتے کہ دلبر آیا

اپنی محفل سے یہ آزردہ اٹھایا مجھکو
کہ منانے کے لیے آپ مرے گھر آیا

نہ دیا ہائے مجھے لذتِ آزار نے چین
دل ہوا رنج سے خالی بھی تو جی بھر آیا

آپ کے تو نہیں جیتے ہی بن آئے گی
شیفتہ سند پہ جو اپنی وہ ستمگر آیا

ناتواں گل کی طرح سے جسے خنداں دیکھا
صبح بلبل کی روش ہمدم افغاں دیکھا

کوئی بے جان جہاں میں نہیں جیتا لیکن
تیرے مہجور کو جیتے ہوئے بے جاں دیکھا

ہم نے کیا جانے کس ذوق سے دی جاں دمِ قتل
کہ بہت اس سے ستمگر کو پشیماں دیکھا

نہ ہوا یہ کہ کبھی اپنے گلے پر دیکھیں
یوں تو سو بار ترا خنجرِ براں دیکھا

اس طرف کو بھی نگہ تا سرِ مژگاں آئی
بارے کچھ کچھ اثرِ گریۂ پنہاں دیکھا

پائمالی ہوئے مرقد پہ مری آکے وہ جب
شمع کو نعش پہ پروانہ کی گریاں دیکھا

قطعہ

غم غلط کرنے کو احباب ہیں جانب باغ / لیگئے گل تو عجب رنگ گلستاں دیکھا

ورد میں خاصیت اخگر سوزاں پائی / نسترن میں اثر خار مغیلاں دیکھا

ایک نالے میں ستم ہائے فلک سے چھوٹے / جسکو دشوار سمجھتے تھے سو آساں دیکھا

کون کہتا ہی کہ ظلمت میں کم آتا ہے نظر / جو نہ دیکھا تھا سو ہم نے شب ہجراں دیکھا

شیفتہ زلف پریرو کا پڑا سایہ کہیں / میں نے جب آپکو دیکھا تو پریشاں دیکھا

جفا و جور کا اُس سے گلا کیا / جو پوچھے مہربانی کیا وفا کیا

وہ بے پروا جواب نامہ لکھے / خدا جانے کہ دشمن نے لکھا کیا

دیا کیوں ہم نے اُس بدخو پہ عاشق / ہمارا دوست کوئی بھی نہ تھا کیا

شمیم گل میں بوئے پیرہن ہے / غلط ہی یہ کہ احسان صبا کیا

نہ لکھنا تھا غم ناکامی عشق / جواب نامہ نے مدعا کیا

ہمیں تھا آپ قصد عرض احوال / جو وہ خود پوچھتے ہیں پوچھنا کیا

تماشا ہی جلے گر خانۂ غیر / وہ کہتے ہیں کہ آہ شعلہ زا کیا

فنائے عاشقاں عین بقا ہی / دیت زندوں کی کیسے خوں بہا کیا

اگر ہی بوالہوس تو قتل کر چک — عدو سے وعدۂ شوق آزما کیا

قطعہ

کہا کل میں نے اے سرمایۂ ناز — تلوّن سے ہی تمکو مدّعا کیا

کبھی مجھ پر عتاب بے سبب کیوں — کبھی بیوجہ غیروں سے وفا کیا

کبھی محفل میں وہ بیباکیاں کیوں — کبھی خلوت میں یہ شرم و حیا کیا

کبھی تمکین صولت آفریں کیوں — کبھی الطاف جرأت آزما کیا

کبھی وہ طعنہ ہائے جاں گزا کیوں — کبھی یہ غمزہ ہائے جانفزا کیا

کبھی شعروں سے میری نغمہ سازی — کبھی کہنا کہ یہ تمنے کہا کیا

کبھی سننے جو دم یہ آزردہ ہونا — کہ کیا تقصیر تھا جو پوچھوں میں خطا کیا

کبھی اس دشمنی پر پھر تسکیں — پیئے ہم جلوہ ہائے دلربا کیا

یہ سب طول اس نے سنکے بے تکلف — جواب اک مختصر مجھکو دیا کیا

ابھی اے شیفتہ واقف نہیں تم
کہ باتیں عشق میں ہوتی ہیں کیا کیا

وہ پریوش عشق کے افسوس سے مائل ہو گیا — سنتے ہیں مشہور ہیں لوگوں میں عامل ہو گیا

میں نہیں فرہاد وہ خسرو نہیں پھر کیا سبب — غیر کا مائل جو وہ شیریں شمائل ہو گیا

اشکباری ہمکناری کی ہوس میں رات تھی
قلزمِ گریہ کو اُسکا دھیان ساحل ہو گیا

زخم میرے خنجرِ خونریز تھے اغیار کو
بیوفائی سے خجل کسوقت قاتل ہو گیا

اہلِ وحشت کو مری شورش سے لازم ہی خطر
میں وہ مجنوں ہوں کہ مجنوں کے مقابل ہو گیا

رشکِ خسرو سے تصرف نازِ شیریں نے اثر
سینۂ فرہاد مثلِ بیستوں سِل ہو گیا

ہی خراشِ ناخنِ غم میں بھی کیا بالیدگی
جو ہلالِ غرہ تھا سو ماہ کامل ہو گیا

عید کے دن ذبح کرنا اور بھی اچھا ہوا
حلقۂ اسلام میں وہ شوخ داخل ہو گیا

اُسکے اُٹھتے ہی یہ ہلچل پڑگئی بزم میں
طورِ روزِ حشر سب کو طورِ محفل ہو گیا

ہوش تو دیکھو کہ سُنکر میری وحشت کی خبر
چھوڑ کر دیوانہ پن کو قیس عاقل ہو گیا

ہاتھ اُٹھایا اُس نے قتلِ بیگنہ سے میرے بعد
طالعِ اغیار سے جلّاد عادل ہو گیا

حسن کے اعجاز نے تیرے مٹایا کفر کو
تیرے آگے نقشِ مانی نقشِ باطل ہو گیا

پھیرتے دم جو دیا وہ بڑی تسخیر تھی
آبِ چشمِ یار آسیبِ چاہِ بابل ہو گیا

ہی عدم میں بھی تلاشِ سرمہ و مشک و نمک
شیفتہ تیغِ نگہ سے کسکی گھائل ہو گیا

یار کو محرومِ تماشا کیا
مرگِ مفاجات نے یہ کیا کیا

آپ جو ہنستے رہے شب بزم میں
جان کو دشمن کی میں رویا کیا

عرض تمنا سے رہا بیقرار — شب وہ مجھے میں اُسے چھیڑا کیا
سرد ہوا دل وہ ہی غیروں سے گرم — شعلے نے الٹا مجھے ٹھنڈا کیا
مہر قمر کا ہی اب اُن کو گماں — آہ فلک پیر نے یہ کیا کیا
اُنکو محبت ہی میں شک پڑ گیا — ڈر سے جو شکوہ نہ عدو کا کیا
دیکھیے اب کون ملے خاک میں — یار نے گردوں سے کچھ ایما کیا
حسرت آغوش ہی کیوں ہم کنار — غیر سے کب اُس نے کنارا کیا
چشم عنایت سے بچی جان مجھے — نرگس بیمار نے اچھا کیا

غیر ہی کو چاہیں گے اب شیفتہ
کچھ تو ہے جو یار نے ایسا کیا

اُس جنبش ابرو کا گلا ہو نہیں سکتا — دل گوشت ہی ناخن سے جدا ہو نہیں سکتا
کچھ تو ہی اثر کر ترے قربان خموشی — نالوں سے تو کچھ کام مرا ہو نہیں سکتا
گر غیر بھی ہو وقف ستم تو ہے مسلم — کچھ تم سے بجز جور و جفا ہو نہیں سکتا
کھلے گرہ دل کو ترا ناخن شمشیر — یہ کام اجل سے بھی روا ہو نہیں سکتا
سبقت ہو تجھے راہ میں اُس کوچہ کی مجھ پر — زنہار یہ اے راہ نما ہو نہیں سکتا
میں نے جو کہا ہمدم اظہار نہ ہوجے — تو چین بجبیں ہو کے کہا ہو نہیں سکتا

یہ رازِ محبت ہی نہ افسانۂ بلبل
کب طالعِ خفتہ نے دیا خواب میں آنے

محرم ہو مری بادِ صبا ہو نہیں سکتا
وعدہ بھی کیا وہ کہ وفا ہو نہیں سکتا

وہ مجھ سے خفا ہی تو اُسے یہ بھی ہی زیبا
پر شیفتہ میں اُس سے خفا ہو نہیں سکتا

صبح ہوتے ہی گیا گھر مہِ تاباں میرا
گرم گرم اُس رُخِ نازک پہ نظر کی کس نے
وادیٔ نجد کو دِلّی سے نہ دینا نسبت
دیکھکر میری طرف ہنسکے کہا یہ دمِ قتل
نہ گھر آیا نہ جنازہ پہ نہ مرقد پہ کبھی
چارہ سازو کوئی رہتا ہی بجز چاک ہوئے

پنجۂ خوز نے کیا چاک گریباں میرا
رشک گلریز نہ ہی کیوں دیدۂ گریاں میرا
ہی وہ مجنوں کا بیاباں یہ بیاباں میرا
آج تو دیکھ لیا آپ نے پیماں میرا
حیف صد حیف نہ نکلا کوئی ارماں میرا
آپ سو بار سئیں ہیں یہ گریباں میرا

اُسکی زلفوں کا نہو دھیان تو اے شیفتہ پھر
اس شبِ ہجر میں ہی کون نگہباں میرا

گور میں یادِ قدِ یار نے سونے نہ دیا
واہ اے طالعِ خفتہ کہ شبِ عیش میں بھی
وا رہیں صورتِ آغوش سحر تک آنکھیں

فتنۂ حشر کو رفتار نے سونے نہ دیا
وہمِ بیخوابیٔ اغیار نے سونے نہ دیا
شوقِ ہمخوابیٔ دلدار نے سونے نہ دیا

یاس سے آنکھ بھی جھپکی تو توقع سے کھلی
صبح تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

طالعِ خفتہ کی تعریف کہاں تک کیجے
پاؤں کو بھی خلشِ خار نے سونے نہ دیا

دردِ دل سے جو کہا نیند نہ آئی تو کہا
مجھ کو کب نرگسِ بیمار نے سونے نہ دیا

شبِ ہجراں ہے کہا قصۂ گیسوئے دراز
شیفتہ تو بھی دلِ زار نے سونے نہ دیا

آج ہی کیا آگ ہی سرگرم کیں تو کب نہ تھا
شمع ساں مجبور خوئے آتشیں تو کب نہ تھا

آج ہی دعویٰ ہی کیا تجھ کو بتانِ دہر سے
غیرتِ غلمان و رشکِ حور عیں تو کب نہ تھا

آج ہی ہر بات پر بیوجہ کیا رکتا ہے تو
اے ستمگر بر سرِ پرخاش و کیں تو کب نہ تھا

آج ہی تیری جگہ کچھ سینہ و دل میں نہیں
مثلِ تیرِ غمزۂ ظالم دلنشیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا شرم و شوخی کو ملایا ہے بہم
غیر سے بیباک مجھ سے شرمگیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا ہی فلک پر شکوۂ فریادِ خلق
اے ستمگر آفتِ روئے زمیں تو کب نہ تھا

آج ہی کیا دشمنوں سے قتل کی تدبیر ہے
ای جفا جو درپئے جانِ حزیں تو کب نہ تھا

آج ہی باتیں بنائی یہاں کے آنے میں نہیں
حیلہ گر تو کب نہ تھا عذر آفریں تو کب نہ تھا

آج ہی اٹھ کر یہاں سے کیا عدو کے گھر گیا
مہوشِ شب کو کہیں دن کو کہیں تو کب نہ تھا

آج ہی ٹیکا لگانے سے لگے کیا چار چاند
نے تکلف بے تکلف مہ جبیں تو کب نہ تھا

آج ہی کچھ ہو نہ حیرت سے نہیں پروانہ وار
شیفتہ بیتاب روئے آتشیں تو کب نہ تھا

میں پریشاں گرد اور محفل نشیں تو کب نہ تھا
ہر کہیں کس دن نہ تھا میں کہیں تو کب نہ تھا

یہاں سبک حرفِ ملامت واں گراں عرضِ نیاز
سخت جاں میں کب نہ تھا اور نازنیں تو کب نہ تھا

ناصح و واعظ کی مطعوں اے صنم ہم کب نہ تھے
آفتِ جان و بلائے عقل و دیں تو کب نہ تھا

انتہا کی بات ہی یہاں ابتدائے عشق ہے
ہم نہ تھے کب عجز گستر خشمگیں تو کب نہ تھا

جستجو میں سرمۂ تسخیر کی ہم کب نہ تھے
چشمِ افسوں ساز سے سحر آفریں تو کب نہ تھا

تجھکو شک الفت میں اپنے ہمکو وہم ربطِ غیر
بدگماں ہم کب نہ تھے اور بے یقیں تو کب نہ تھا

ناشکیبا مضطرب وقفِ ستم ہم کب نہ تھے
بے مروت بے وفا مصروفِ کیں تو کب نہ تھا

تیری ان باتوں پہ ہم طعنے اٹھاتے کب نہ تھے
اے ستمگر شیفتہ کا ہمنشیں تو کب نہ تھا

میں وصل میں بھی شیفتہ حسرت طلب رہا
گستاخیوں میں بھی مجھے پاسِ ادب رہا

تغیرِ وعدہ کی ہے اشارہ وداع کا
یعنی جفا پہ خوگرِ الطاف کب رہا

میں رشک سے چلا تو کہا بے سبب چلا
اس پر جو رہ گیا تو کہا بے سبب رہا

دم بھر بھی غیر پہ نگہ التفات کیوں ہی آہ
اک عمر میں ستم کشِ چشمِ غضب رہا

تھا اب تو آہ میں بھی اثر جذبِ دلمیں بھی
کیونکر نہ آئے شیفتہ مجھکو عجب رہا

بسکہ آغازِ محبت میں ہوا کام اپنا
پوچھتے ہیں ملک الموت سے انجام اپنا

عمر کٹتی ہے تصور میں رخ و کاکل کے
رات دن اور ہی ہے گردشِ ایام اپنا

وہاں یہ قدغن کہ نہ آواز فغاں بھی پہنچے
یہاں یہ شورش کہ گذارا ہو لبِ بام اپنا

اُس سے نازک کو کہاں گرمیِ صحبت کی تاب
بس کلیجا نہ پکا اے طمعِ خام اپنا

تپشِ دل کے سبب سے ہے مجھے خواہشِ مرگ
کون ہے جس کو نہ منظور ہو آرام اپنا

بادہ نوشی سے ہماری جو لہو خشک ہوا
خون اغیار سے لبریز ہے کیا جام اپنا

لطف سمجھوں تو بجا جور بھی سمجھوں تو درست
تم نے بھیجا ہے مرے پاس جو ہمنام اپنا

ذکر عشاق سے آتی ہے جو غیرت اُسکو
آپ عاشق ہے مگر وہ بتِ خودکام اپنا

تاب بوسہ کی کسی شیفتہ وہ دیں بھی اگر
کر چکے کام یہاں لذتِ دشنام اپنا

جی داغِ غمِ رشک سے جل جائے تو اچھا
ارمان عدو کا بھی نکل جائے تو اچھا

پروانہ بنا میرے جلانے کو وفادار
محفل میں کوئی شمع بدل جائے تو اچھا

کس چین سے نظارہ ہر دم ہو میسر
دل کوچۂ دشمن میں بہل جائے تو اچھا

تم غیر کے قابو سے نکل آؤ تو بہتر | حسرت یہ ہے میرے دل کی نکل جائے تو اچھا

سودا زدہ کہتے ہیں ہوا شیفتہ افسوس
تھا دوست ہمارا ابھی سنبھل جائے تو اچھا

پلا جام ساقی مے ناب کا | کہ کچھ حظ اٹھے سیر مہتاب کا
دل زار کا ماجرا کیا کہوں | فسانہ ہے مشہور سیماب کا
کہاں پھر وہ نایاب پایا جسے | غلط شوق ہے جنس نایاب کا
نکیجو غل اے خوشنوایان صبح | یہ ہے وقت انکے شکر خواب کا
محبت نہ ہرگز جتائی گئی | رہا ذکر کل اور ہر باب کا
دم سرد سے لا نہ طوفان باد | نہ سن ماجرا چشم پر آب کا
وہاں بیخودوں کی خبر کون لے | جہاں شغل ہو بادۂ ناب کا
وہاں تیرہ روزوں کی پروا کسے | جہاں شوق ہو سیر مہتاب کا
بہ تشخیص شخصی بھی جاتی رہی | کنارا اُلٹتے ہی جلباب کا
میں بے جرم رہتا ہوں خائف کہ واں | جفا میں نہیں دخل اسباب کا
پڑے صبر آرام کی جان پر | مری جان نے صبر بیتاب کا
لب لعل کو کس کے جنبش ہوئی | ہوا ہیں ہے کچھ رنگ عناب کا

نہ کرنا خطا پر نظر شیفتہ
کہ اغماض شیوہ ہے احباب کا

تقلیدِ عدو سے ہمیں ابرام نہوگا
ہم خاص نہیں اور کرم عام نہوگا

صیاد کا دل اُس سے پگھلنا متعذر
جو نالہ کہ آتش فگنِ دام نہوگا

جس سے ہے مجھے ربط وہ ہے کون کہاں ہے
الزام کے دینے سے تو الزام نہوگا

بیداد وہ اور اُس پہ وفا یہ کوئی مجھ سا
مجبور ہوا ہے دلِ خود کام نہوگا

وہ غیر کے گھر نغمہ سرا ہونگے مگر کب
جب ہم سے کوئی نالہ سرانجام نہوگا

ہم طالبِ شہرت ہیں ہمیں ننگ سے کیا کام
بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہوگا

قاصد کو کیا قتل کبوتر کو کیا ذبح
لیجائے مرا اب کوئی پیغام نہوگا

جب پردہ اُٹھا تب ہے عداوت کو کہاں تک
آزارِ عدو سے مجھے آرام نہوگا

یہاں جیتے ہیں امیدِ شبِ وصل پہ اور وہاں
ہر صبح توقع ہے کہ تا شام نہوگا

قاصد سے ہے عبث منتظرِ وقت کہاں وقت
کس وقت انھیں شغلِ مے و جام نہوگا

دشمن پسِ دشنام بھی ہے طالبِ بوسہ
محوِ اثرِ لذّتِ دشنام نہوگا

رخصت بس اب اے نالہ کہ یہاں ٹھہر چکی ہے
نالہ نہیں جو آفتِ اجرام نہوگا

برق آئینہ فرصت گلزار ہے اُس پر
آئینہ نہ دیکھے کوئی گلفام نہوگا

اے اہل نظر ذرہ میں پوشیدہ ہی خورشید
ایضاً سے حاصل بجز ابہام نہوگا

اس ناز و تغافل میں ہی قاصد کی خرابی
بیچارہ کبھی لائق انعام نہوگا

اُس بزم کے چلنے میں ہو تم کیوں متردد
کیا شیفتہ کچھ آپ کا اکرام نہوگا

دیکھوں تو کہاں تک وہ تلطف نہیں کرتا
آرے سے اگر چیرے تو میں اُف نہیں کرتا

تم دیتے ہو تکلیف مجھے ہوتی ہی راحت
سچ جانیے میں اسمیں تکلف نہیں کرتا

سب باتیں اُنھیں کی ہیں سچ بولیو قاصد
کچھ اپنی طرف سے تو تصرف نہیں کرتا

سو خوف کی ہو جائے مگر رند نظر باز
دل جلوہ گہ لانشف و شف نہیں کرتا

شوخی سے کسی طرح سے چین اُسکو نہیں ہی
آتا ہی مگر آکے توقف نہیں کرتا

اُس شوخ ستمگر سے پڑا ہی مجھے پالا
جو قتل کیئے پر بھی تاسف نہیں کرتا

جو کچھ ہی انا میں وہ ٹپکتا ہے انا سے
کچھ آپ سے میں ذکر تصوف نہیں کرتا

تسکین ہو کیا وعدہ سے معشوق ہی آخر
ہر چند سنا ہی کہ تخلف نہیں کرتا

کیا حال تمھارا ہی ہمیں بھی تو بتاؤ
بے وجہ کوئی شیفتہ اُف اُف نہیں کرتا

اپنی جوار میں ہمیں مسکن بنا دیا
دشمن کو اور دوست نے دشمن بنا دیا

مشاطہ نے ملا تھی سیمیا کیا
گل برگ کو جو غنچۂ سوسن بنا دیا

دامن تک اس کے ہاے نہ پہنچا کبھی وہ ہاتھ
جس ہاتھ نے کہ جیب کو دامن بنا دیا

دیکھا نہ ہوگا خواب میں بھی یہ فروغ حسن
پردے کو اس کے جلوے نے چلمن بنا دیا

تم لگ بھی غضب ہو کہ دل پر یہ اختیار
شب ہم نے کر لیا سحر آہن بنا دیا

پروانہ ہے خموش کہ حکم سخن نہیں
بلبل ہے نغمہ گر کہ نوازن بنا دیا

صحرا بنا رہا ہے وہ افسوس شہر کو
صحرا کو جسکے جلوہ نے گلشن بنا دیا

مشاطہ کا قصور سہی سب بناؤ میں
اس نے ہی کیا نگہ کو بھی پرفن بنا دیا

اظہار عشق اس سے نہ کرنا تھا شیفتہ
یہ کیا کیا کہ دوست کو دشمن بنا دیا

کیا لائق زکوۃ کوئی بے نوا نہ تھا
انفاس باد میں نفس آشنا نہ تھا

اس قوم کی سرشت میں ہی کم محبتی
شکوہ جو اس سے تھا مجھے ہرگز بجا نہ تھا

تاثیر نالہ نکتۂ بعد الوقوع ہے
یہاں غیر رسم اور کوئی مدعا نہ تھا

وحشت تھی مجھکو پہلے بھی پر یہ تپش نہ تھی
شورش بھی مجھکو پہلے بھی پر یہ مزا نہ تھا

اُنکی نگاہ ناز عجب تازیانہ تھی
مقدور پھر ادھر نظر شوق کا نہ تھا

افسوس وہ مظاہر کونین میں پھنس گیا
جو عالم عقول سے نا آشنا نہ تھا

شرماتے اسقدر رہے کیوں آپ رات کو — مدت میں گو ملے تھے مگر میں نیا نہ تھا
بے پردہ اُنکے آنے سے حیرت ہوئی مجھے — وصل عدو کی رات تھی روزِ جزا نہ تھا

نان و نمک کی تھی ہمیں توفیق شیفتہ
ساز و نوا کے واسطے برگ و نوا نہ تھا

کل نغمہ گر جو مُطرب جادو ترانہ تھا — ہوش و ہواس و عقل و خرد کا پتا نہ تھا
یہ بُت کہ جائے شیب ہی جب تھا نقاب میں — عہدِ شباب اور بتوں کا زمانہ تھا
معلوم ہی ستاتے ہو ہر ایک بہانہ سے — قصد آنہ آئے رات حنا کا بہانہ تھا
حسرت سے اُسکے کوچہ کو کیونکر نہ دیکھئے — اپنا بھی اس چمن میں کبھی آشیانہ تھا
کیا میکدوں میں ہی کہ مدارس میں وہ نہیں — البتہ ایک واں دلِ بے مدعا نہ تھا
ساقی کی نے مدد نہ بنی بات رات کو — مطرب اگرچہ کام میں اپنے یگانہ تھا
کچھ آج اُنکی بزم میں بیڈھب ہے بند و بست — آلودہ می سے دامنِ بادِ صبا نہ تھا
دشمن کے فعل کی تھیں توجیہ کیا ضرور — تم سے فقط مجھے گلۂ دوستانہ تھا

کل شیفتہ سحر کو عجب حال خوش میں تھے
آنکھوں میں نشا اور لبوں پر ترانہ تھا

تھا غیر کا جو رنج جدائی تمام شب — نیند اُنکو میرے ساتھ نہ آئی تمام شب

شکوہ مجھے نہو جو مکافات حد سے ہو — وہاں صلح ایک دم ہے لڑائی تمام شب
یہ ڈر رہا کہ سونے نہ پائیں کہیں نہ مجھے — وعدے کی رات نیند نہ آئی تمام شب
سچ تو یہ ہی کہ بول گئے اکثر اہلِ شوق — بُلبُل نے کی جو نالہ سرائی تمام شب
دم بھر بھی عمر کھوئی جو ذکرِ رقیب میں — کیفیت وصال نہ پائی تمام شب
تھوڑا سا میرے حال پہ فرما کر التفات — کرتے رہے وہ اپنی بڑائی تمام شب
وہ آہ تار و پود ہو جسکا ہوائے زلف — کرتی ہی عنبری وہ صبائی تمام شب
وہ صبح جلوہ جلوہ گر باغ تھا جو رات — مرغِ سحر نے دھوم مچائی تمام شب
افسانے سے بگاڑ ہے ان بن ہی خواب سے — ہی فکر وصل و ذکر جدائی تمام شب

جس کے شمیم زلف پہ میں غش ہوں شگفتہ
اُس نے شمیم زلف سنگھائی تمام شب

یوں بزمِ گلرخاں میں ہی اس دلکو اضطراب — جیسے بہار میں ہو عنادل کو اضطراب
نیرنگ حسن و عشق کے کیا کیا ظہور ہیں — بسمل کو اضطراب ہی قاتل کو اضطراب
آجائے ہمنشیں وہ پری وش تو کیا نہو — دیوانہ وار ناصح عاقل کو اضطراب
سیماب وار سارے بدن کو ہی یہاں طپش — تسکین ہو سکے جو ہو اک دل کو اضطراب
وہ با ادب شہید ہوں میرا جو نام لے — قاتل تو پھر نہو کسی بسمل کو اضطراب

افسوس باد آہ سے ہل بھی نہ جائے اور
یوں ہو ہوا سے پردۂ محمل کو اضطراب

میں جاں بلب ہوں اور خبرِ وصل جاں طلب
کیا کیا نہیں دہندہ و سائل کو اضطراب

لکھا ہے خط میں حال دلِ بیقرار کا
ہوگا ضرور شیفتہ حامل کو اضطراب

کیا اُٹھ گیا ہے دیدۂ اغیار سے حجاب
ٹپکا پڑے ہے کیوں نگہِ یار سے حجاب

لاؤ نعم نہیں جو تمنائے وصل پر
انکار سے حجاب ہے اقرار سے حجاب

تقلید شکل چاہیے سیرت میں بھی تجھے
کب تک رہے ہے مجھ سے ترے اطوار سے حجاب

دشنام دیں جو بوسہ میں ابرام ہم کریں
طبعِ غیور کو ہے پر اصرار سے حجاب

رندی میں بھی گئی نہ یہ مستوری و صلاح
آتا ہے مجھ کو محرمِ اسرار سے حجاب

وہ طعنہ زن ہے زندگیٔ ہجر پر عبث
آتا ہے مجھ کو حسرتِ دیدار سے حجاب

جوشِ نگاہ دیدۂ حیراں کو کیا کہوں
ظاہر ہے روئے آئینہ رخسار سے حجاب

روز و شبِ وصال مبارک ہو شیفتہ
جورِ فلک کو ہے ستمِ یار سے حجاب

دشمن سے ہے میرے دلِ مضطر کی شکایت
کیونکر نہ کروں شوخیٔ دلبر کی شکایت

دیوانۂ الفت ادب آموز خرد ہے
سودے میں نہیں زلفِ معنبر کی شکایت

تاخیر نہ کر قتل شہیدانِ وفا میں
ہر ایک کو ہی تیزیِ خنجر کی شکایت

تاثیر ہو کیا اُن لب و دنداں کا ہوں بیمار
نے لعل کا شکوہ ہی نہ گوہر کی شکایت

کیوں بوالہوسوں سے دلِ عاشق کا گلہ ہے
غیروں سے بھی کرتا ہی کوئی گھر کی شکایت

اب ظلم سرشتوں کی نگہ سے ہوں مقابل
ہوتی تھی کبھی کاوشِ نشتر کی شکایت

یہاں کانٹوں پہ بھی لوٹنے میں چین نہیں ہی
وہاں غیر سے ہی پھولوں کے بستر کی شکایت

تعلیم بد آموز کو ہم کرتے ہیں یعنی
ہی شکرِ وفا جورِ ستمگر کی شکایت

بے پردہ وہ آئیں گے تو کیسے نہ مجھے ہو گی
ای **شیفتہ** ہنگامۂ محشر کی شکایت

اُس وفا کی مجھ سے پھر امیدواری ہی عبث
دلفریبی کی لگاوٹ یہ تمھاری ہی عبث

دشمنی کو جو کہ احساں جانتا ہو ناز سے
اُس ستم ایجاد سے امید یاری ہی عبث

غمزہ ہائے دوست بعد از مرگ بھی نظروں میں ہیں
وہم راحت سے عدو کو بیقراری ہی عبث

سرو میں کب پھل لگا تاثیر کیا ہو آہ میں
چشمِ تر کی صورتِ ابر اشکباری ہی عبث

ہم نے غافل پا کے تجھکو اور کو دل دیدیا
ای ستمگر اب تری غفلت شعاری ہی عبث

ہجر میں چرخ و اجل نے گر نہ کی یاری تو کیا
دشمنوں سے **شیفتہ** امیدواری ہی عبث

نہ کر فاش رازِ گلستاں عبث — نہ ہو بلبلِ زار نالاں عبث
کفایت تھی مجھ کو تو چینِ جبیں — کیا قتل کا اور ساماں عبث
مقدم ہے ترکِ عدو کی قسم — وگرنہ یہ سب عہد و پیماں عبث
جو آیا ہے وادی میں تو صبر کر — شکایات خارِ مغیلاں عبث
تکبر گدائے خرابات سے — نہ اے خواجہ کھو جان و ایماں عبث
وہاں صوتِ مینا و آوازِ ساز — خوش آہنگیٔ مرغِ شب خواں عبث
وہاں دس بجے دن کو ہوتی ہے صبح — سحر خیزیٔ عندلیباں عبث
دمِ خضر ہے چشمۂ زندگی — سکندر سرِ آبِ حیواں عبث
پری کا وہاں مجھ کو سایہ ہوا — نہیں اشتیاقِ دلستاں عبث
طلبگارِ راحت ہیں نا دردمند — اگر درد ہے فکرِ درماں عبث
یہ نازک مزاجوں کا دستور ہے — خشونت سے اندوہِ حرماں عبث
شکایت کو اُس نے سنا بھی نہیں — کھلا غیر پر رازِ پنہاں عبث
مرے غم میں گیسوئے مشکیں نہ کھول — نہ ہو خلق کا دشمنِ جاں عبث
محبت جتاتا ہوں ہر طور سے — اثر کی نظر سوئے افغاں عبث
نہ سمجھا کسی نے مجھے کل نہ صبح — ہوا ٹکڑے ٹکڑے گریباں عبث

نہ مجھے یوں بٹھاتے وہ کب بزم میں
اُٹھائے رقیبوں نے طوفاں عبث

یہ اندازِ دلکش کہاں شیفتہ
جگر کاوِیِ مرغِ بستاں عبث

اے شیفتہ نوید شبِ غم سحر ہے آج
ہمتابِ آفتاب فروغِ قمر ہے آج

آہنگ دلپذیر سے مطرب ہی جاں نواز
آہِ جگر خراش کا ظاہر اثر ہے آج

دل سے کشادہ تر ہو کیونکر فضائے بزم
تنگیٔ خانہ حلقۂ بیرونِ در ہے آج

فانوس میں نہ شمع نہ شیشہ میں ہی پری
ساغر میں جس بہار سے مے جلوہ گر ہے آج

پروانوں کا دماغ بھی ہے آسمان پہ
نورِ چراغ میں جو فروغِ قمر ہے آج

ہر سمت جلوہ گر ہیں جوانانِ لالہ رو
گلزار جسکو کہتے ہیں وہ اپنا گھر ہے آج

سامان وہ کہ آئے نہ چشمِ خیال میں
آ اے رقیب دیکھ کہ پیشِ نظر ہے آج

وہ دن گئے کہ ربطِ سر و سنگ تھا بہم
شکرانہ کے سجود ہیں اور اپنا سر ہے آج

اسبابِ عیش یہ جو مہیّا ہی شیفتہ
کیا پردہ تم سے آپکی اُنکی خبر ہی آج

شیفتہ ہجر میں تو نالۂ شبگیر نہ کھینچ
صبح ہونے کی نہیں خجلتِ تاثیر نہ کھینچ

ای ستمگر رگِ جاں میں ہی مری پیوستہ
دم نکل جائیگا سینہ سے مرے تیر نہ کھینچ

جو پہ بھی کوئی کرتا ہے عمل دنیا میں — رنج بیہودہ بس اے عاملِ تسخیر نہ کھینچ

عشق سے کیا ہی مجھے شکل نئی کھنچی ہے — حسنِ تقریر کو آہیں دمِ تقریر نہ کھینچ

ہے یہ سامان صفائی کا عدو سے کیونکر — دستِ مشاطہ سے یوں زلف گرہ گیر نہ کھینچ

اے ستم پیشہ کچھ امید تلافی تو ہے — دستِ نازک سے مرے قتل کو شمشیر نہ کھینچ

چارہ گر فکر کر اس میں کہ مقدر ہے لے — ورنہ بیہودہ اذیت اپنے تدبیر نہ کھینچ

کون مجرم ہے جو شایانِ تعذیر نہیں — شوقِ تعذیر سے تو حسرتِ تقصیر نہ کھینچ

وجد کو زمزمہ مرغِ سحر کافی ہے
شیفتہ نازِ مغنی و مزامیر نہ کھینچ

ناصح تپاں ہے شیفتہ نیم جاں کی طرح — کیا دل میں چبھ گئی نگہ جاں ستاں کی طرح

بہتر ہے آپ غیر سے دل کھول کر ملیں — آخر تو یہ بھی میرے ہی امتحان کی طرح

اُس شمع رو کی بزم میں مانع نہ تھا کوئی — ہوئی سبک جو نالہ آتش فشاں کی طرح

کیوں ہر نفس ہے شہد خموشی سے بند لب — بھائی ہے دل کو نسے شیریں بیاں کی طرح

اڑتے ہیں آشتی نہ تغافل میں التفات — یہ جور کی نکالی ہے تم نے کہاں کی طرح

ہمیانہ بند بند گسل ہے خمار سے — بدمست کر گئی یہ کس ابرو کماں کی طرح

ہر ہر قدم پہ رشک سے جلتی ہے شمع فند

چلتا ہی وہ بھی شیفتہ میری زباں کی طرح

دیا ہی بوسہ نے مجھے جبکہ میں ہوا گستاخ — غلط ہی بات کہ کم رزق ہی گدا گستاخ
تمھاری بزم میں افسردہ میں نہ بیٹھونگا — نسیم باغ میں چالاک ہی صبا گستاخ
کہاں ہی غیرتِ شوخی کہ جائے غیرت ہی — نگاہِ یار سے ہر وقت ہی حیا گستاخ
سفیہہ جیسے کہ خدمت سے چل نکلتے ہیں — غرورِ مہر و وفا نے مجھے کیا گستاخ
لبوں سے جان ہی گستاخ ذوقِ بیجد سے — زبان بوسہ نے مجھے تو نے کیوں کہا گستاخ
قبول کیوں تھی خواہش ہم آغوشی — کہ آشناؤں سے ہوتے ہیں آشنا گستاخ

عنانِ ضبط کوئی شیفتہ سے تھمتی ہی
کہ ہر کرشمہ ہی چالاک وہ ہر ادا گستاخ

روزِ غم میں کیا قیامت ہی شبِ عشرت کی یاد — اشکِ خوں سے آگئیں رنگینیاں صحبت کی یاد
میری حالت دیکھ تو تغییر کتنے ہو چکی — وصل کے دن دمبدم کیوں شیشہ ساعت کی یاد
میں ہوں بیکس اور بیکس پر ترحم ہے ضرور — حسن روزافزوں دلا دینا مری حالت کی یاد
طاقتِ جنبش نہیں اس حال پر قصدِ عدم — مر گئے پر بھی رہے گی اپنی اس ہمت کی یاد
غالباً ایامِ حرماں بیخودی میں کٹ گئے — آتی ہی پھر آرزو بھولی ہوئی مدت کی یاد

دل لگانے کا ارادہ پھر ہی شاید شیفتہ

ایسی حسرت سے جو ہی گذری ہی ئی الفت کی یاد

طلب بوسہ پر اُس لب سے شکر آب لذیذ
تند ہی تلخ ہی لیکن ہی مئے ناب لذیذ

کچھ مزا تو نہ سمجھ خضر امور عشرت
سب مزاجوں میں نہیں ایک سے اسباب لذیذ

سم کی تاثیر کیے ہجر میں آب حیواں
مئے گلگوں کے سوا وصل میں ہی آب لذیذ

زور نہادسہی پر نہیں مقبول فغاں
تا نہ معلوم ہو تلخی مئے ناب لذیذ

شیفتہ ذوق سحر اُس نے کہاں دیکھا ہی
وہ جو کہتا ہی کہ ہی آخر شب خواب لذیذ

وصل کے لطف اُٹھاؤں کیوں کر
تاب اُس جلوے کی لاؤں کیوں کر

گرمجوشی کا کروں شکوہ کہ وہ
کہتے ہیں تجھکو جلاؤں کیوں کر

کیا کروں ہائے ہیں بیتاب وہ شوخ
چین سے پاس بٹھاؤں کیوں کر

ہر بُن مو سے دھواں اُٹھتا ہے
آتش غم کو چھپاؤں کیوں کر

میرے آنے سے تم اُٹھ جاتے ہو
بزم دشمن میں نہ آؤں کیوں کر

یاد نے جس کی بھلایا سب کچھ
اُس کی میں یاد بھلاؤں کیوں کر

آپ بھایا مجھے رونا اپنا
کہتے ہیں ہائے میں جاؤں کیوں کر

چارۂ عجز سے فرصت ہی نہیں
درد دل اُس کو سناؤں کیوں کر

زندگانی سے خفا ہوں اپنی
پھر کہو تمکو مناؤں کیوں کر

اُس کے آتے ہی بھڑک اُٹھی اور
آتشِ دل کو بجھاؤں کیوں کر

شورِ محشر ابھی چونک اُٹھے گا
شیفتہ کو میں جگاؤں کیوں کر

شیفتہ آیا ہوں میں کسکا تماشا دیکھکر
رہ گئے حیران مجھکو سب خود آرا دیکھکر

شوقِ خوباں اُڑ گیا حوروں کا جلوہ دیکھکر
رنجِ دنیا مٹ گیا آرامِ عقبے دیکھکر

ہے وہ آتش جلوہ اشک افشاں ہمارے شور سے
شمع رو دیتی ہے پروانہ کو جلتا دیکھکر

غیر جو گذری سو گذری پر یہی اچھا ہوا
خط دیا تھا نامہ بر نے اُسکو تنہا دیکھکر

سائلِ بزم کی پھبتی مجھ پہ فرمانے لگے
آرزوئے شوق کا گرمِ تقاضا دیکھکر

ہے وہاں سستی طلب بن جان پہچانی نہیں
کام کرتے ہیں مزاجِ کارفرما دیکھکر

ہیں تو دو نو سخت لیکن کونسا ہے سخت تر
اپنے دلکو دیکھیے میرا کلیجا دیکھکر

گاؤں بھی ہمکو غنیمت ہے کہ آبادی تو ہے
آئے ہیں ہم سخت پر آشوب صحرا دیکھکر

اب کسے لاؤں گواہی کیلیے روزِ جزا
میرے دشمن ہوگئے اُس کو احبّا دیکھکر

ہیں کمینِ توبہ میں ہوس آپ لیکن کیا کروں
مُنہ میں بھر آتا ہے پانی جام و مینا دیکھکر

التماسِ وصل پر بگڑی تھی بیڈھب رات کو
کچھ نہ بن آئی مگر جوشِ تمنّا دیکھکر

دوستی کرتے ہیں ارباب غرض ہر اک سے
میرے عاشق ہیں عدو اب ربط اس کا دیکھکر

نے نقط مجھکو سناؤگے جو دیکھوگے ستم
آپ عاشق تو ہوئے ہیں شوق بیداد دیکھکر

پھر کہوگے اس کو دل فرماوائے ارباب دل
جو نہو بیتاب و مضطر وسے زیبا دیکھکر

یار پہلو میں نہیں مے جام و مینا میں نہیں
تم ہوئے حیران مجھکو ناشکیبا دیکھکر

ناگہاں باد موافق شیفتہ چلنے لگی
جان پر کل بن رہی تھی شور دریا دیکھکر

تھا قصد بوسہ نشہ میں سرشار دیکھکر
غش آگیا مجھے انھیں ہشیار دیکھکر

کچھ بیم قتل سے نہیں آنکھوں میں اشک سرخ
کھاتا ہے جوش خوں تری تلوار دیکھکر

جاتے ہیں اور منع کی طاقت نہیں مگر
رہجائیں آپ وہ مجھے ناچار دیکھکر

پردہ کسی کا یاد نہ سنے پر دگی ہے یاد
غش ہوگیا میں کعبہ کی استار دیکھکر

خجیل عاشقاں بے مجھے کہتے ہیں بوالہوس
عاشق کا اس کو مائل آزار دیکھکر

آتی ہیں یاد کاکل و دل کی حکایتیں
روتا ہوں دام و مرغ گرفتار دیکھکر

کیا بن گیا ہوں صورت دیوار دیکھنا
صورت کسی کی میں سر دیوار دیکھکر

رحم ایسی سادگی پہ ستمگر ضرور ہے
عاشق ہوئے ہیں ہم تجھے پرکار دیکھکر

کم رغبتی سے لیتے ہیں دل ہوشیار ہیں
بڑھتا ہے ہول شوق خریدار دیکھکر

کہتا تھا وقتِ مرگ کے ہر اک سے شیفتہ
دنیا کسیکو دل تو وفادار دیکھکر

یوں پاس بوالہوس ہیں چشمِ غضب سے دور
یہ بات ہے بُری دلِ عاشق طلب سے دور

دیوانہ میں نہیں کہ انا لیلی لب پہ آئے
باتیں خلاف وضع ہیں اہلِ ادب سے دور

مجھکو سُنا کے کہتے ہیں ہمدم سے یاد ہے
اک آدمی کو چاہتے تھے ہم بھی اب سے دور

جو لطف میں بھی پاس پھٹکنے نہ دے کبھی
رکھیو الٰہی ایسے کے مجھکو غضب سے دور

کیونکر میں انجمن میں تمھاری شریک ہوں
اسباب رنج رہتے ہیں اہلِ طرب سے دور

ہم سے اُسے معاملہ تھا جان و جسم کا
ہرگز ملا نہ گاہ ہوا ہائے جب سے دور

تو بھی جو میرے پاس نہ آئے تو کیا کروں
تیرے ہی پاس سے تو میں تنہا ہوں سب سے دور

میں غیر بوالہوس نہیں ڈرتے ہو کس لیے
مجھ سے نہ رکھو بوسہ میں تم لب کو لب سے دور

بوس و کنار کی نہ کرو نگاہوس کبھی
یہ خواہشیں ہیں عاشقِ حسرت طلب سے دور

آغاز عمر ہی میں ہے ہمکو خیالِ حج
دلّی جو شیفتہ ہے دیارِ عرب سے دور

ہم بے نشان اور وفا کا نشاں ہنوز
ہے خاک تن ہوا و ہوا خوں فشاں ہنوز

بیت الحزن میں نغمۂ شادی بلند ہے
نکلا ہے باب مصر سے ہی کارواں ہنوز

صبح شبِ وصال نئی صبح ہے مگر
پروین ہنوز جلوہ گرو کہکشاں ہنوز

ہرگز ابھی شکایتِ دشمن نہ چاہیے
ہم پر بھی یار خوب نہیں مہرباں ہنوز

کیونکہ کہیں کہ چھٹ گئے ہم بندِ جسم سے
اُس زلف پیچ پیچ میں اُلجھی ہے جاں ہنوز

جو بات میکدہ میں ہے ایک ایک زبان پہ
افسوس مدرسہ میں ہے بالکل نہاں ہنوز

ضبط و شکیب یہاں ہے نقابِ جمالِ شوق
بیہودہ وہاں نہیں ہے سرِ امتحاں ہنوز

مدت ہوئی بہارِ جہاں دیکھتے ہوئے
دیکھا نہیں کسی نے گلِ بے خزاں ہنوز

اکثر ہوا ہے مجھکو سفر در وطن مگر
لایا نہ دوستوں کے لیے ارمغاں ہنوز

اک شب ہوا تھا جلوہ نما چرخ پردہ ماہ
مدہوش ہیں ملائکہ آسماں ہنوز

نا آشنا رقیب سے ہے آشنا ابھی
نا آشنا ہے لب سے ہماری فغاں ہنوز

آشفتہ زلف چاک قبا نیم باز چشم
ہیں صحبتِ شبانہ کی ظاہر نشاں ہنوز

اے صبح دم نسیم ذرا اور ٹھہر جا
ہے خاک پر ہمارے وہ دامن فشاں ہنوز

مشتاق ہیں نشاطِ جوانی کے پھر بھی
لیکن ملا نہ منصبِ پیرِ مغاں ہنوز

اے تابِ برق تھوڑی سی تکلیف اور بھی
کچھ رہ گئے ہیں خار و خسِ آشیاں ہنوز

آتا ہوں میں وہیں سے ذرا صبر شیفتہ
سونے کے قصد میں بھی نہیں پاسباں ہنوز

ہند کی وہ زمیں ہے عشرت خیز — کہ نہ زاہد جہاں کریں پرہیز

وجد کرتے ہیں پی کے مے صوفی — مست سوتے ہیں صبح تک شب خیز

رند کیا یاں تو شاہد و مے سے — پارسا کو نہیں گزیر و گریز

سخت مشکل ہے ایسی عشرت میں — خطرِ عقبیٰ و بیم رستاخیز

ہے غریبوں کو جرأتِ فرہاد — ہے فقیروں کو عشرتِ پرویز

عیش نے یہاں بٹھا دیا ناقہ — غم نے کی یہاں سے رخش کو مہمیز

کوئی یہاں غم کو جانتا بھی نہیں — جز غمِ عشق سوئے عیش آمیز

بادِ صرصر یہاں نسیمِ چمن — نارِ عنصر ہے آتشِ گل تیز

بوستاں کی طرح یہاں صحرا — دل کشا دلپذیر دل آویز

کوئی پامال جورِ چرخ نہیں — کتنی ہے یہ زمین راحت خیز

اشک ٹھہرا اس میں یہاں پایا — وہ جو مرتا ہے بڑا اشک ریز

شیفتہ تھام لو عنانِ قلم
یہ زمیں گرچہ ہے ہوس انگیز

دور رہنا ہے کب تک اور بیگانے کے پاس — ہیں قریبِ مرگ کہاں اب نہیں آنے کے پاس

جلوہ آرا ایسا کہ تھا وہ شمع سیارات کو — ہم بھی مر کر رہ گئے مجلس میں پروانے کے پاس

آوریں طغیانِ وحشت مرحبا جوشِ جنوں
وہ یہ کہتے ہیں کہ کیونکر جائیں دیوانے کے پاس

غیر سے کہوائیں یا دوں سے سمجھوائیں گے ہم
دیکھ لیں گے پھر کہ تم کیونکر نہیں آنے کے پاس

شیفتہ نے قصۂ مجنوں سنایا رات کو
آگیا میرا انھیں سنتے ہی افسانے کے پاس

اُٹھے نہ چھوڑ کے ہم آستانِ بادہ فروش
طلسمِ ہوش ربا ہے دکانِ بادہ فروش

کھلا جو پردۂ روئے حقائقِ اشیا
کھلی حقیقتِ رازِ نہانِ بادہ فروش

فسردہ طینتی و کاہلی سے ہم نے کبھی
شباب میں بھی نہ دیکھی دکانِ بادہ فروش

یقین ہے کہ مئے ناب مفت ہاتھ آئے
یہ جی میں ہے کہ بنوں میہمانِ بادہ فروش

قدح سے دل ہے مراد اور مے سے عشق غرض
میں وہ نہیں کہ نہ سمجھوں زبانِ بادہ فروش

عجب نہیں کہ کسی روز وہ بھی آنکلیں
کہ ہے گزرگہِ خلق آستانِ بادہ فروش

مے و سرود کے اسرار آپ آ کر دیکھ
نہ پوچھ مجھ سے کہ ہوں راز دانِ بادہ فروش

شراب دیکھ کہ کس رنگ کی پلاتا ہے
جز اس کے اور نہیں امتحانِ بادہ فروش

تری شمیم نے گلزار کو کیا برباد
تری نگاہ نے کھولی نہ دکانِ بادہ فروش

عبث ہے شیفتہ ہر اک سے پوچھتے پھرنا
ملیگا بادہ کشوں سے نشانِ بادہ فروش

اُن کو دشمن سے ہی محبت خاص — یہ ہمارا ہے ثمرۂ اخلاص

وجد میں لائے اہل درد ہمیں — باد کے ساتھ خاک ہی رقاص

دل کے ٹکڑے اُڑا نہیں ہے گناہ — نفس کو قتل کر نہیں ہی قصاص

حسن باطن ز بونیٔ ظاہر — ہے مئے ناب اور جام رصاص

کیا مزا تم سے آشنائی کا — ماسشر بتم مدامتہ الاخلاص

ہجر زہر اور وصل ہے تریاق — زہر و تریاق کا جُدا ہی خواص

قسمت اُس کی خبر نہ ہو جسکو — عام اس دور میں ہی بادۂ خاص

دام سے تیرے موسمِ گل میں — بلبلوں کو نہیں ہوا ہے خلاص

شیفتہ نے ہمارے داد نہ دی
سچ ہے القاص لایحب القاص

ہی دلکو یوں ترے دمِ اعجاز اثر سے فیض — غنچہ کو جیسے موجۂ بادِ سحر سے فیض

عشاق سے نگاہ نہ رکھو دریغ تم — پاتے ہیں لوگ خدمتِ اہلِ نظر سے فیض

ہی عالمِ کبیر میں بھی یوں ہی جس طرح — دل سے جگر کو فیض ہی دلکو جگر سے فیض

آزردۂ جفائے دی و تیر کو نہیں — یک ذرّہ آب و آتش لعل و گہر سے فیض

اپنے نہاد میں نہیں احساں فرامشی — پایا ہی ہم نے صاعقہ کا ابرِ تر سے فیض

زر کسب کر کہ عشرتِ خسرو نصیب ہو
فرہاد کو سنا ہی ہوا جو ہنر سے فیض

لگتے ہیں اُس کے سینہ و بر سے مدام ہم
ہوتا ہی ہمکو روز مہِ سیمبر سے فیض

ارباب خانقاہ ہیں محتاج اغنیا
کافی ہی ہمکو پیرِ مغاں تیرے در سے فیض

بلبل ہمارے گھر وہ خود آتے ہیں رحم سے
افزوں ہی نے پری ہیں یہاں بال و پر سے فیض

خرم نہاد میکش و زاہد شگفتہ دل
ہے شگفتہ ہر ایک کو وقتِ سحر سے فیض

لازم ہے بیوفا تجھے اہل وفا سے ربط
کیسا ہی دیکھ عکس ادا کو ادا سے ربط

یہ ناخن و خراش ہیں بگڑی کہ کیا کہوں
اک دم ہوا جو عقدۂ بندِ قبا سے ربط

ناصح مری ملامتِ بیجا سے فائدہ
بے اختیار دلکو ہی اُس دلربا سے ربط

اُس مہر دہر کو ہوا اثر یہ جو ہو سکے
کام و وہاں کو ہے مرے دم شعلہ زا سے ربط

کیجے گر اُن سے شکوۂ انجام کار عشق
کہتے ہیں مجھکو تم سے نہ تھا ابتدا سے ربط

دو دن میں تنگ ہو گئے جورِ سپہر سے
اس حوصلہ پہ کرتے تھے اُسکی جفا سے ربط

کیا تجھے بدگمانی ابرو کا دھیان ہے
کرتے وگرنہ ہجر میں تیغِ قضا سے ربط

تیرے ستم سے ہی یہ دعا لب پہ دمبدم
یارب نہو کسی کو کسی بیوفا سے ربط

صبح شبِ فراق کا کیا لطف مرگ سے
کیا دیر میں ہوا ہمیں رو آشنا سے ربط

فریادِ نزع کان تک اُس کے نہ جا سکے
تھا شیفتہ ہمیں نفسِ نارسا سے ربط

ترے فسوں کی نہیں میرے دل میں جا واعظ
صنم پرست نہ ہو بندۂ ریا واعظ

کسی صنم نے مگر آپ کو جلایا ہے
نہیں تو حور و پری کیوں اسقدر تنا واعظ

تمہارے حسنِ جہاں سوز میں جلتا ہوں
کہ ہیں رقیب مرے شیخ و پارسا واعظ

ملا کے دیکھیں کہ ہے خوب کون دونوں میں
ہم اُس کو لاتے ہیں تو حور کو بلا واعظ

ترے فسونِ اثر ریز سے رسا تر سی
فغان نے اثر و آہ نارسا واعظ

لگی تھی حالتِ رندی میں اُسکو کیا یارو
کوئی یہ پوچھے کہ کیوں شیفتہ بنا واعظ

خورشید کو اگرچہ نہ پہنچی ضیائے شمع
پروانہ کو پسند نہیں پر سوائے شمع

اس تیرہ روزگار میں سمجھا جگر گداز
مشعل جلا کے ڈھونڈھے اگر تو نہ پائے شمع

روزِ فراق میں ہے قیامت جمالِ گل
شب ہائے ہجر میں ہے مصیبت لقائے شمع

پروانے کیا خجل ہوئے دیکھا جو صبح کو
تھا شب کو اُسکی بزم میں خورشید جائے شمع

اُس رشکِ شمع و گل کی ہے کچھ آب و تاب اور
دیکھے ہیں جلوہ ہائے گل و شعلہ ہائے شمع

دیتی ہے اور گرمیِ پروانہ داغِ رشک
شب ہائے ہجر میں کوئی کیونکر جلائے شمع

کیا حاجت آفتاب کے گھر میں چراغ کی — ہی حکم شب کو بزم میں کوئی نہ لائے شمع

اُس لعل بے بہا سے کہاں تاب ہمسری — روشن ہی سب پہ قیمت گل اور بہائے شمع

خورشید جس کے جلوہ سے ہو شمع صبح دم — کیا ٹھہرے اُسکے سامنے نور و ضیائے شمع

اس تیرہ شب میں جائیں گے کیونکر عدو کے گھر — میرا رقیب وہ ہی جو اُنکو دکھائے شمع

آتے ہیں وہ جو گور پہ میری تو بہر زیب — کوئی نہ لائے پھول نہ کوئی منگائے شمع

گل پر لگا کے آپ سے پہنچیں گے نے طلب — آئیگی اپنے پاؤں سے یہاں بن بلائے شمع

ڈر ہی اُٹھا نہ دے کہیں وہ بزم عیش سے
کیا تاب ہی کہ شیفتہ آنسو بہائے شمع

کیا غیر تھا کہ شب کو نہ تھا جلوہ گر چراغ — رہتا ہی ورنہ گھر میں ترے تا سحر چراغ

کیا لطف آہ صبح شب ہجر مہر وش — کیا فائدہ جو کیجئے روشن سحر چراغ

پروانہ گر نہ جائے تو بیجا ہے لاف عشق — روشن ہی میرے نالوں سے افلاک پر چراغ

عنقا کرے طریقۂ پروانہ اختیار — اُس تاب رخ سے کیجئے روشن اگر چراغ

پروانہ ہو گیا ہے رقیب کتاں کہ ہی — اُس مہروش کے جلوے کے آگے قمر چراغ

گستاخیوں کی تاب کسی اُس کی بزم میں — بیباکی نسیم سے ہرگز نہ ڈر چراغ

ہی شمع انجمن وہ مہ آتشیں عذار — گھی کے جلیں گے آج تو دشمن کے گھر چراغ

کرتا ہوں فکر شعر جو میں شب کو شیفتہ
رہتا ہے خوابگہ میں مری رات بھر چراغ

وہاں ہوا پردہ اُٹھانا موقوف
یہاں ہوا راز چھپانا موقوف

غیر کو رشک سے کیا آگ لگی
کہ ہوا میرا جلانا موقوف

ذکر شیریں کی اگر بندی ہے
کوہکن کا بھی فسانا موقوف

اب کس امید پہ وہاں جائے کوئی
کہ ہوا غیر کا آنا موقوف

رم آہو سے وہ رم یاد آیا
دشت و صحرا میں بھی جانا موقوف

بد دماغ آج ہوا وہ گل رو
شیفتہ عطر لگانا موقوف

پابندئ وحشت میں ہیں زنجیر کے مشتاق
دیوانے ہیں اس زلف گرہ گیر کے مشتاق

بے رحم نہیں جرم وفا قابلِ بخشش
محروم ہیں کس واسطے تعذیر کے مشتاق

رہتے تھے بہم جن سے مثالِ ورق و حرف
اب اُنکی رہا کرتے ہیں تحریر کے مشتاق

لکھتا ہوں جو میں آرزوئے قتل میں نامے
ہیں میرے کبوتر بھی ترے تیر کے مشتاق

کیوں قتل میں عشاق کے اتنا ہے تغافل
مر جائیں گے ظالم دمِ شمشیر کے مشتاق

اے آہ ذرا شرم کہ وہ کہتے ہیں اکثر
مدت سے ہیں ہم آہ کی تاثیر کے مشتاق

سیماب تھا دل جلکے سو اب خاک ہوا ہے
لیجائیں مری خاک کو اکسیر کے مشتاق

کیا ہجر کے دن آنے میں ہے عذر سنیں تو
ہم ہیں ملک الموت کی تقریر کے مشتاق

دل سرد ہوا اُن کے ترے نالۂ موزوں
تھے شیفتہ ہم حسنِ تاثیر کے مشتاق ۔

رہ جائے کیوں نہ ہجر میں جاں آ کے لب تلک
ہم آرزوئے بوسہ پہ پیغام اب تلک

کہتے ہیں بیوفا مجھے میں نے جو یہ کہا
مرتے رہیں گے آپ پہ جیتے ہیں جب تلک

تمکین حسن ہے کہ نہ بیتاب ہو سکا
خلوت میں بھی کوئی قلق بے ادب تلک

آجائے کاش موت ہی تسکین ہو نہ ہو
ہر وقت بیقرار رہے کوئی کب تلک

وہ چشم التفات کہاں اب جو اس طرف
دیکھیں کہ ہے دریغ نگاہِ غضب تلک

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب
پہنچاؤ یہ پیام اجل جاں طلب تلک

مایوس لطف سے نہ کرے دشمنی شعار
امید سے اُٹھاتے ہیں ہم جور اب تلک

یہاں عجز نے رہا ہے نہ وہاں ناز دلفریب
شکوہ بجا رہا گلہ بے سبب تلک

ایسی ہی بیقراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

طالعِ خفتۂ دشمن نہ جگانا شبِ وصل
دیکھ اے مرغِ سحر غل نہ مچانا شبِ وصل

اُن کو منظور نہیں نیند کا آنا شبِ وصل
اس لیے کہتے ہیں غیروں کا فسانا شبِ وصل

صبر پروانے کا مجھ پر نہ پڑے ڈرتا ہوں
ماہرو شمع کو ہرگز نہ جلانا شبِ وصل

خواہشِ کام دل اتنی نہ کرا ای شوق کہ وہ
ڈھونڈتے ہیں چلے جانے کو بہانا شبِ وصل

آپ منت سے بلانے سے تجھے کیونکر آؤں
غیر کے گھر میں ہی تیرا تو ٹھکانا شبِ وصل

شان میں صحبتِ ناکس سے خلل آتا ہے
صبحِ ہجراں کو بس اب منہ نہ لگانا شبِ وصل

تیرگی بختِ سیہ سے مری لیجا کہ ضرور
جلوہ اُس مہرلقا کا ہے چھپانا شبِ وصل

روزِ ہجراں میں اُٹھے جاتے ہو کیوں دنیا سے
شیفتہ اور بھی تم لطف اُٹھانا شبِ وصل

اصحابِ درد کو ہی عجب تیزیٔ خیال
مثلِ زبانِ نطق قلم کی زبانِ حال

عہدِ وفا کیا ہے نباہیں گے شک عبث
وعدہ کیا ہی آئیں گے بیجا ہے احتمال

کیا کچھ وہاں سے منزلِ مقصود پاس ہے
یا ایہا الذین سکنتم علی الجبال

ناز و غرور ٹھیک ہی جور و جفا درست
کس کے ہوا نصیب یہ حسن اور یہ جمال

ساقی پلا وہ بادہ کہ غفلت ہو آگہی
مطرب سنا وہ نغمہ کہ ہو جس سے قال حال

ہم لگ کے عشق والوں کی تقلید کیوں کریں
ای خوردہ گیر نحن رجال و ہم رجال

اہلِ طریق کی بھی روش سب سے ہی الگ
جتنا زیادہ شغل زیادہ فراغ بال

ہنگام حمد کام میں لائے وہ ایسے لفظ
جن کو معانی متعدد پہ اشتمال

ما و التنہبن وا نتن فی البیوت
ما و التقلتن وانتن فی الجبال

ق
یہ بات تو غلط ہے کہ دیوان شیفتہ
ہے نسخۂ معارف و مجموعۂ کمال

لیکن مبالغہ تو ہے البتہ اس میں کم
ہاں ذکر خد و خال اگر ہے تو خال خال

یہاں کے آنے میں نہیں اُنکو جو تمکین کا خیال
غالباً کچھ تو ہوا ہے میری تسکیں کا خیال

کفِ افسوس ملنے سے بھی پڑے ہاتھ میں نقش
بسکہ ہے دلمیں مرے دستِ نگاریں کا خیال

گو مجھے عاشقِ مفلس وہ کہیں طعنہ سے
تو بھی کیونکر نہ رکھوں ساعدِ سیمیں کا خیال

تعزیت کو مری وہ آئے تو کیا ذلّت ہے
اہلِ ماتم کو نہیں بزم کی تزئیں کا خیال

کیوں نہ ہو دستِ مژہ ماتمیوں کا رنگیں
مرتے دم تھا مجھے اُس پنجۂ رنگیں کا خیال

سختیِ عشق ہے پتھر کی لکیر اسے پرویز
دل فرہاد سے کیونکر مٹے شیریں کا خیال

کیا مسلمان ہیں ہم شیفتہ سبحان اللہ
دل سے جاتا نہیں وہم بت بیدیں کا خیال

بلبل کو بھی نہیں ہے دماغِ صدائے گل
بگڑی ہے تیرے دور میں ایسی ہوائے گل

ہنگام عشق جو غیر کو اُس نے سنگھائے گل
جنت میں پہلی مری جاں کو ہوائے گل

ایسا ہی بعد مرگ بھی ہم بیوفا رہے
اس واسطے مزار پہ میرے چڑھائے گل

مرتی ہیں گل کے نام ہی پہ بلبلیں کہ اب
پھرتی ہیں ساتھ ساتھ مرے جب سے کھائے گل

کھٹکوں عدو کی آنکھ میں تا بعد مرگ بھی
کانٹے مرے مزار پہ رکھنا بجائے گل

کس کس طرح سے کھوئے گئے غیر کیا کہوں
روز جزا ابھی سینہ پہ میرے جو پائے گل

جلتی ہی تیرے حسن جہاں سوز سے بہار
نکلیں گے شعلے خاک چمن سے بجائے گل

آخر دو رنگی اُس گلِ رعنا پہ کھل گئی
لوگوں کو دیکھکر جو عدو نے چھپائے گل

عاشق نے سب سے پہلے راہ محبت میں جان دی
کیونکر نہ عندلیب کرے جان فدائے گل

خاموش عندلیب کہ طاقت نہیں رہی
ہیں چاک تیرے کان کے مثلِ قبائے گل

شاید دکھانے لائیگا اُسکو کہ غیر نے
بستر پہ میرے کانٹوں کے بدلے بچھائے گل

جس گل میں ہی ادا وہ چمن میں بھلا کہاں
ای بلبلو تمھیں کو مبارک ادائے گل

میرا انھیں کو غم ہی کہ بلبل کی آہ پر
کرتا ہی کون چاک گریباں سوائے گل

جنت میں پہنچیں بلبلیں پروانے جل گئے
اب کون شمع گور پر اور کون لائے گل

اک گل کا شوق تھا سبب اپنی وفات کا
پھولوں کے دن مرے رفقا نے منگائے گل

لکھی یہ ہم نے وہ غزلِ تازہ شیفتہ
ہر شعر جس میں داغ دہِ دستہ ہائے گل

کم ہم سے تھا وہ ہیں گئے اُن سے خفا ہم
مدت سے اسی طرح بنھی جاتی ہے باہم

کرتے ہیں غلط یار سے اظہار وفا ہم
ثابت جو ہوا عشق کجا یار کجا ہم

کچھ نشۂ مے سے نہیں کم نشۂ نخوت
تقویٰ میں بھی صہبا کا اُٹھاتے ہیں مزا ہم

موجود ہے جو لاؤ جو مطلوب ہو وہ لو
مشتاق وفا تم ہو طلبگار جفا ہم

نے طبع پریشاں تھی نہ خاطر متفرق
وہ دن بھی عجب تھے کہ ہم اور آپ تھے باہم

کیا کرتے ہیں کیا سنتے ہیں کیا دیکھتے ہیں ہائے
اُس شوخ کے جب کھولتے ہیں بند قبا ہم

یہ طرز ترنم کہیں زنہار نہ ڈھونڈھو
اے شیفتہ یا مرغ چمن کہتے ہیں یا ہم

مرگئے ہیں جو ہجر یار میں ہم
سخت بیتاب ہیں مزار میں ہم

تا دل کینہ ور میں پائیں جگہ
خاک ہو کر ملے غبار میں ہم

آمد آمد میں اسقدر شورش
دیکھئے کیا کریں بہار میں ہم

وہ تو سو بار اختیار میں آئے
پر نہیں اپنے اختیار میں ہم

کب ہووے خار راہ غیر بھلا
کیوں کھٹکتے ہیں چشم یار میں ہم

کوئے دشمن میں ہم گئے پامال
آمد و رفت بار بار میں ہم

نعش پر تو خدا کے واسطے آ
مرگئے تیرے انتظار میں ہم

گر نہیں شیفتہ خیال فراق

کیوں تڑپتے ہیں وصل یار میں ہم

مطبوع یار کو ہے جفا اور جفا کو ہم
کہتی ہے بد عدو کو وفا اور وفا کو ہم

دشنام بھی سُنے نہ تمہاری زبان سے
ہے کوستی اثر کو دعا اور دعا کو ہم

افغان چرخ رس کی لپٹ سے نے جلا دیا
نامہ کو ڈھونڈھتی ہے صبا اور صبا کو ہم

لاتا ہے ظن ہنیم تبسم سے جوش میں
دل کو قلق قلق کو بکا اور بکا کو ہم

درماں مریض غم کا ترے کچھ نہ ہوسکا
چھیڑے ہے چارہ گر کو دوا اور دوا کو ہم

پھر کیوں نہ دیکھنے سے عدو کے ہو منفعل
پھر اُس کو دو کہتی ہے حیا اور حیا کو ہم

ہیں جاں بلب کسی کے اشارے کی دیر ہے
دیکھے ہے اُس نگہ کو قضا اور قضا کو ہم

ہے آرزوئے شربت مرگ اب تو شیفتہ
لگتی ہے زہر ہمکو شفا اور شفا کو ہم

بچتے ہیں اسقدر جو اُدھر کی ہوا سے ہم
واقف ہیں شیوۂ دل شورش ادا سے ہم

افشائے راز عشق ہیں ضرب المثل ہے وہ
کیونکر غبار دلمیں نہ رکھیں صبا سے ہم

چلتے ہیں میکدہ کو کہاں یہ عزیز وہاں
رخصت تو ہولیں کبر و نفاق و ریا سے ہم

اے جوش رشک قرب عدو اب تو مت اُٹھا
بیٹھے ہیں دیکھ بزم ہیں کس التجا سے ہم

ہے جامہ پارہ پارہ دل و سینہ چاک چاک
دیوانہ ہو گئے گل جیب قبا سے ہم

کیا جانتے تھے صبح وہ محشر قد آئیگا
شام شبِ فراق نہ مرتے بلا سے ہم

ہر بات پر نگاہ ہماری ہی اصل پر
لیتے ہیں مشک نرخ کو زلفِ دوتا سے ہم

بیگانہ جب سے یار ہوا ہی رقیب ہے
امید قطع کر چکے ہر آشنا سے ہم

بلبل یہ کہہ رہی ہی سر شاخسار پر
بدمست ہو رہے ہیں چمن کی ہوا سے ہم

کم التفات ہم سے سمجھتے ہیں اہل بزم
شرمندہ ہو گئے تری شرم و حیا سے ہم

ہاں **شیفتہ** پھر اسمیں نصیحت ہی کیوں نہو
سُنتے ہیں حرف تلخ کو سمع رضا سے ہم

کم فہم ہیں تو کم ہیں پریشانیوں میں ہم
دانائیوں سے اچھے ہیں نادانیوں میں ہم

شاید رقیب ڈوب مریں بحرِ شرم میں
ڈوبینگے موج اشک کی طغیانیوں میں ہم

محتاج فیض نامیہ کیوں ہوتے اسقدر
کرتے جو سوچ کچھ جگر افشانیوں میں ہم

پہنچائی ہم نے مشق یہاں تک کہ ہو گئے
اُستاد عندلیب نواخوانیوں میں ہم

غیروں کے ساتھ آپ بھی اُٹھتے ہیں بزم سے
لو میزبان بن گئے مہمانیوں میں ہم

جن جن کے تو مزار سے گذرا وہ جی اُٹھے
باقی بچے ہیں ایک ترے فانیوں میں ہم

گستاخیوں سے غیر کی اُنکو ملال ہے
مشہور ہوتے کاش ادب دانیوں میں ہم

دیکھا جو زلف یار کو تسکین ہو گئی
یکچند مضطرب تھے پریشانیوں میں ہم

آنکھوں سے یوں اشارہ دشمن نہ دیکھتے
ہوتے نہ اسقدر جو نگہبانیوں میں ہم

جو جان کھو کے پائیں تو فوز عظیم ہے
وہ چیز ڈھونڈتے ہیں تن آسانیوں میں ہم

پیر مغاں کے فیض توجہ سے شیفتہ
اکثر شراب پیتے ہیں روحانیوں میں ہم

کیوں نہ اُڑ جائے مرا خواب ترے کوچے میں
فرش ہے مخمل و کمخواب ترے کوچے میں

دولت حسن یہاں تک تو لٹائی ظالم
اشک ہے گوہر نایاب ترے کوچے میں

جوشش گریۂ عشاق سے اک دم میں ہوا
شجر سوختہ شاداب ترے کوچے میں

ہوش کا پانو جو یہاں آکے پھسل جاتا ہے
کیا لنڈھائی ہے مئے ناب ترے کوچے میں

ہے کف پا عدو پا سے تری رنگیں تر
بسکہ ہم روتے ہیں خوں ناب ترے کوچے میں

گوشہ گیری سے بھی گردش نہ گئی طالع کی
پھرتے ہیں صورت دولاب ترے کوچے میں

غیر نے سنگ جو پھینکے وہ ہوئے بالش سر
چین سے کرتے ہیں ہم خواب ترے کوچے میں

وہ بھی محروم نہیں جن کو نہیں بزم میں بار
تیرے رخسار کی ہے تاب ترے کوچے میں

چلدیا شیفتہ سو دیں خدا جانے کہاں
ڈھونڈتے پھرتے ہیں احباب ترے کوچے میں

کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں
کچھ آگ بھری ہوئی ہے نے میں

کچھ زہر اگل رہی ہے بلبل — کچھ زہر ملا ہوا ہے مے میں
بدمست جہان ہو رہا ہے — ہے یار کی بو ہر ایک شے میں
ہیں ایک ہی گل کی سب بہاریں — فروردیں میں اور فصل دے میں
ہے مستیٔ نیم خام کا ڈر — اصرار ہے جام پے بہ پے میں
میخانہ نشیں قدم نہ رکھیں — بزم جم و بارگاہ کے میں
ابتک زندہ ہے نام وہاں کا — گذرا ہے حسین ایک جے میں
ہوتی نہیں طے حکایت طے — گذرا ہے کریم ایک طے میں

کچھ شیفتہ یہ غزل ہے آفت
کچھ درد ہے مطربوں کی لے میں

روز خوں ہوتے ہیں دو چار ترے کوچے میں — ایک ہنگامہ ہے اے یار ترے کوچے میں
فرش رہ ہیں دل افگار ترے کوچے میں — خاک ہو رونق گلزار ترے کوچے میں
سر فروش آتے ہیں اے یار ترے کوچے میں — گرم ہے موت کا بازار ترے کوچے میں
شعر میں اب نہ کہونگا کہ کوئی پڑھتا تھا — اپنے حالی مرے اشعار ترے کوچے میں
نہ ملا ہم کو کبھی تیری گلی میں آرام — نہ ہوا ہم پہ جز آزار ترے کوچے میں
ملک الموت کے گھر کا تھا ارادہ اپنا — لے گیا شوق غلط کار ترے کوچے میں

تو ہے اور غیر کے گھر جلوہ طرازی کی ہوس
ہم ہیں اور حسرتِ دیدار ترے کوچے میں

ہم بھی وارستہ مزاجی کے ہیں اپنی قائل
خلد میں روح تن آزار ترے کوچے میں

کیا تجاہل سے یہ کہتا ہے کہاں رہتے ہو
تیرے کوچے میں ستمگار ترے کوچے میں

شیفتہ ایک نہ آیا تو نہ آیا کیا ہے
روز آ رہتے ہیں دو چار ترے کوچے میں

شکوہ جفا کا کیجے تو کہتے ہیں کیا کروں
تم سے وفا کروں کہ عدو سے وفا کروں

گلشن میں چلکے بند قبا تیرے وا کروں
جی چاہتا ہے جامۂ گل کو قبا کروں

آتا ہوں پیر دیر کی خدمت سے مست میں
ہاں زاہدو تمھارے لیے کیا دعا کروں

جوشِ فغاں وداع کہ منظور ہے انھیں
دل نذر کاوشِ نگہ سرمہ سا کروں

نفرین بیشمار ہے اس عہد و مہر پر
گر ایک میں صواب کروں سو خطا کروں

مطرب بدیع نغمہ و ساقی پری جمال
کیا شرح حالتِ دلِ درد آشنا کروں

تم دلربا ہو دلکو اگر لے گئے تو کیا
جب گاہ ہو سکے میں اثر کہربا کروں

اے چارہ ساز لطف کہ تو چارہ گر نہیں
بس اے طبیب رحم کہ دل کی دوا کروں

پیتا ہوں میں مدام مئے ناب معرفت
اصلِ سرور دامِ خبائث کو کیا کروں

یا اپنے جوش عشوہ پیہم کو تھامئے
یا کعبے میں بھی نالۂ شورش فزا کروں

میں جل گیا وہ غیر کے گھر جو چلے گئے
شعلے سے استعارہ آوازِ پا کروں

ڈر ہے کہ ہو نہ شوق مزا میر شیفتہ
ورنہ کبھی سماعِ مجرد سنا کروں

مانا سحر کو یار اُسے یہاں جلوہ گر کریں
طاقت ہمیں کہاں کہ شبِ غم سحر کریں

تزئین میری گور کی لازم ہی خوب سی
تقریبِ سیر ہی سے وہ شاید گذر کریں

اب ایک اشک ہی دُرِ نایاب وہ کہاں
تارِ نظر جو گریہ سے سلکِ گہر کریں

وہ دوست ہیں اُنھیں ہوا اثر ہو گیا تو کیا
نالے ہیں وہ جو غیر کے دل میں اثر کریں

آئے تو اُنکو رنج نہ آئے تو مجھکو رنج
مرنے کی میری کاش نہ اُنکو خبر کریں

ہی جی میں سونگھیں نگہتِ گل جا کے باغ میں
بس کب تلک التجائے نسیمِ سحر کریں

اب کی ارادہ ملکِ عدم کا ہی شیفتہ
گھبرا گئے کہ ایک جگہ کیا بسر کریں

شبِ وصل کی بھی چین سے کیونکر بسر کریں
جب یوں نگاہ بانیٔ مرغِ سحر کریں

محفل میں اک نگاہ اگر وہ اِدھر کریں
سو سو اشارے غیر سے پھر رات بھر کریں

طوفانِ نوح لانے سے ای چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

آرزو ہوس سے خلق ہوا ہی یہ نامراد
دل پر نگاہ کیا ہے وہ مجھ پر نظر کریں

کچھ اب کی ہم سے بولے تو یہ جی میں ہے کہ پھر
ناصح کو بھی رقیب سے آزردہ تر کریں

وہاں ہے وہ نغمہ جس سے کہ حوروں کے ہوش جائیں
یہاں ہے وہ نالہ جس سے فرشتے حذر کریں

اہلِ زمانہ دیکھتے ہیں عیب ہی کو بس
کیا فائدہ جو شیفتہ عرضِ ہنر کریں

کب ہاتھ کو خیال جزائے رفو نہیں
کب پارہ پارہ پیرہنِ چارہ جو نہیں

گلگشت باغ کس چمن آرا کی کہ آج
موجِ بہار مدعی رنگ و بو نہیں

واں بار ہو گیا ہے نزاکت سے ناز بھی
یہاں ضعف سے دماغ و دلِ آرزو نہیں

کس نے سنا دیا دلِ حیرت زدہ کا حال
یہ کیا ہوا کہ آئینہ اب روبرو نہیں

تغیرِ رنگ کہتی ہے وصلِ عدو کا حال
یعنی نقاب رخ پہ کبھو ہے کبھو نہیں

گستاخ شکوہ کیا ہوں کہ انداز عرض پہ
کہتے ہیں اختلاط کی بندے کی خو نہیں

کیا جانے درد زخم کو گو ہو شہیدِ ناز
جو نیم کشتہ خنجرِ رشکِ عدو نہیں

ابر سرشک و گلشنِ داغ و نسیم آہ
ساماں عیش سب ہے یہ افسوس تو نہیں

بدخوئیوں سے یار کی کیا خوش ہوں شیفتہ
ہر ایک کو یہ حوصلۂ آرزو نہیں

کچھ اور بیدلی کے سوا آرزو نہیں
اے دل یقین جان کہ ہم ہیں تو تو نہیں

نے اشکِ لالہ گوں بھی ہیں بے آبرو نہیں
آنسو میں رنگ کیا ہو کہ دل میں لہو نہیں

پھر بھی کہو گے چھیڑنے کی اپنی خو نہیں
عطرِ سہاگ ملتے ہو وہ جس میں بو نہیں

یہ کیا کہا کہ بکتے ہو کیوں آپ ہی آپ تم
اے ہمنشیں مگر وہ مرے روبرو نہیں

بے طاقتی نے کام سے یہ کھو دیا کہ بس
دل گم ہوا ہی اور سرِ جستجو نہیں

محفل میں لحظہ لحظہ وہ چشمِ ستیزہ خو
لڑتی ہیں کیوں اگر سرِ صلحِ عدو نہیں

کیا جوشِ انتظار میں ہر سمت دوڑتے ہے
بدنامیوں سے ہائے گذر اکسو نہیں

دی کس نے اشکِ سرمہ سے تیغِ مژہ کو آب
شورِ فغاں کو فکرِ خراشِ گلو نہیں

یہ پیچ و تاب میں شبِ غم نے حواسیاں
اے دل خیالِ طرۂ تابیدہ مو نہیں

دستِ جنوں نے جامۂ ہستی قبا کیا
اب ہائے چارہ گر کو خیالِ رفو نہیں

شکلِ ستم بھی راس نہ آیا ہمیں کہ اب
کہتے ہیں وہ کہ لایقِ الطاف تو نہیں

ہرجائی اپنے وحشی کو کس منہ سے کہتے ہو
کیا آپ کا نشانِ قدم کو بکو نہیں

نیرنگیوں نے تیری یہ حالت تغیر کی
امید زندگی کی کبھو ہے کبھو نہیں

کیا ہو سکے کسی سے علاج اپنا شیفتہ
اُس گل پہ غش ہیں جس میں محبت کی بو نہیں

ہم سے آئنادر وش ہاتھ میں زر رکھتے ہیں
کیا قیامت ہی کہ اب سرو ثمر رکھتے ہیں

شکر ہیں وصل کی شب کی قفس چرخ سے ہم
فکر آزادیٔ مرغانِ سحر رکھتے ہیں

نہ مذمت کا تحمل نہ ثنا کی خواہش
عیب رکھتے ہیں نہ ہم کچھ نہ ہنر رکھتے ہیں

دل ترا سنگ ہی پر آگ کہاں ہے اس میں
دل ہمارا ہی کہ شیشہ میں شرر رکھتے ہیں

آہ و زاری کی مصیبت سے بہت سہل چھٹے
بذلہ و ہزل ترے دل میں اثر رکھتے ہیں

نہ ہمارا کوئی دشمن نہ ہمارا کوئی دوست
وہ نظر اور ہی جو اہلِ نظر رکھتے ہیں

بیخودی ہمکو ہی اور اُنکو خود آرائی ہی
نہ ہماری وہ نہ ہم اُنکی خبر رکھتے ہیں

شیفتہ ہم سے ہو جس شخص کو ملنا مل لے
صبح اس شہر سے ہم عزم سفر رکھتے ہیں

گرمجوشی ہی مگر فرق شرارت میں نہیں
چھیڑ کس بات میں طعنہ کس اشارت میں نہیں

رات ساقی نے کہا جس کے یہ جلسے ہیں
وہ عبارت میں نہیں اور اشارت میں نہیں

ہمکو مقصد سے زیادہ ہی ادب میں کوشش
ورنہ کچھ غیر سوا ہم سے جسارت میں نہیں

رند فارغ بھی ہوئے جام سحرگاہی سے
اور زاہد ابھی آہنگ طہارت میں نہیں

فرحت نفس جو وہ ہی تو یہ ہی راحت روح
کیا بزرگی میں مزا ہی جو حقارت میں نہیں

اہلِ دانش کے فوائد کی تو کیا بات مگر
غور سے دیکھو تو عاشق بھی خسارت میں نہیں

جامِ مے دے کہ وہاں کام پڑا ہی مجھکو
کہ صبا کو بھی جہاں دخل سفارت میں نہیں

قتل و غارت کہ سمجھتے ہو جسے امر عظیم
یہ تو داخل بھی وہاں ناز و شرارت میں نہیں

دل کے بدلے میں طلبگار نہیں کچھ تم سے
شیفتہ زمرۂ اصحاب تجارت میں نہیں

نہ سجدہ ریز ہیں اعدا جو سر جھکاتے ہیں
نہ از فریب سے نقشِ قدم مٹاتے ہیں

چراغ وقفِ محبت نے کر دیا افسوس
کہ مجھکو اپنی پرائے سبھی جلاتے ہیں

جو اُن سے نقشۂ صحبت یہی رہا چندے
تو دیکھ لوگے کہ ہم نقش کیا بٹھاتے ہیں

میں اُس کے لطف کی باتوں کے دھیان میں چپ تھا
کہاں ہے غش رفقا عطر کیوں سنگھاتے ہیں

شبِ وصال میں تا کیفیت اُٹھا نہ سکوں
وہ مجھکو ساغرِ مے متصل پلاتے ہیں

تمھاری بات میں کیا آ گیا ہے شیفتہ فرق
کہ مدعی بھی کچھ اب مدعا بتاتے ہیں

عذر اک ہاتھ لگا ہے انھیں یہاں آنے میں
کیوں کہا میں نے کہ چلیے مرے غمخانے میں

سیرِ وحشت کو جو اک خلق چلی آتی ہے
شہر آباد ہوا ہے مرے ویرانے میں

ہم بھی محروم سہی غیر تو ہوینگے محروم
لطف آ جائے کہیں یار کو شرمانے میں

یہ تو سچ ہے کہ کجا محتسب و بادہ کشی
پھر یہ اس جوش پہ کیوں آتے ہیں میخانے میں

لے لیا پنجۂ گلگوں میں جو اپنے تو نے
ہم نے جانا ہے جڑے لعل ترے شانے میں

سچ کہا غیر کو گھر نیند نہ آئی ہوگی
فرش ہی محفل کا نشاں ترے کاشانے ہیں

شگفتہ سن کے وہ دیتے ہیں جو لاکھوں دشنام
اثرِ بادہ ہی گویا مرے افسانے ہیں

ہے ستم کے رشک کا اُنکے گماں میں امتحاں
غیر کا کرتے ہیں میرے امتحاں میں امتحاں

آرزوئے مرگ تھی روزِ جدائی مر گئے
کر لیا تاب و اثر کا اک فغاں میں امتحاں

چھیڑ تو دیکھو کہ بعد از قتل مجھسے یہ کہا
آپ کا ہرگز نہ تھا اپنے گماں میں امتحاں

دیکھکر آئینہ دیکھیں ہم ہنسیں گے یا نہیں
اپنے غم کا لیں گے سیرِ زعفراں میں امتحاں

اُن کے کوچے میں تمھیں لیجاؤں کیونکہ شگفتہ
کر چکا ہوں تمکو سیرِ گلستاں میں امتحاں

تنگ تھی جا خاطرِ ناشاد میں
آپ کو بھولے ہم اُن کی یاد میں

کیونکر اُٹھنا ہی خدا رنجِ قفس
مر گئے ہم تو کفِ صیّاد میں

وہ جو ہیں تاریخ سے واقف بتائیں
فرق بادِ آہ و بادِ عاد میں

یہاں امیدِ قتل ہی نے خوں کیا
رہ گئی حسرت دلِ جلّاد میں

بے تعلق پن بھی آخر قید ہے
قید پائی خاطرِ آزاد میں

غمزۂ شیریں ہی کی دولت سے تھا
جو اثر تھا تیشۂ فرہاد میں

کیوں خبر پوچھی ترا بیمار ہائے
مر گیا شورِ مبارکباد میں

بے تکلف جی میں جو آئے کرو
کیا دھرا ہے نالہ و فریاد میں

دھیان تجھکو ہو نہ ہو پر شیفتہ
رات دن رہتا ہے تیری یاد میں

ہے امتزاج مشک مئے لعل فام میں
آتی تھی بوئے عنبر ہمارے مشام میں

پہنچے کہاں تصرف ساقی سے اہل بزم
پہنچے نہیں شراب صراحی سے جام میں

تا فرق آئے بات میں فرمائشیں وہ کیں
تعجیل جن کی ہو نہ سکے انصرام میں

اب کچھ ہمیں غنا سے تعلق نہیں رہا
جوش و تپش کو بار نہیں اس مقام میں

اس لطف سے کہاں ہے نسیم چمن میں بو
جو لطف بھر رہا ہے تمہارے پیام میں

ہے شرط عشق یہ کہ نہ غفلت ہو ایک دم
کیسا ہی دل پھنسا ہو امور عظام میں

آئی جو آج کام میں صہبائے تند و تلخ
ساقی تو نے خوب روا رکھے بار عام میں

آہو کی بخت آئے جو تیرے کمند میں
بلبل کی قسمت آئی اگر تیرے دام میں

تجھکو نہیں جو عجب تعجب ہے شیفتہ
ہے ہی زمانہ شناسی یہ سرشت کرام میں

اٹھ آہ دل زار کی افواہیں ہیں
یعنی مجھ پر کرم یار کی افواہیں ہیں

شرم اب ہے نالۂ دل خانۂ اغیار میں بھی
جوش افغاں عزا یار کی افواہیں ہیں

کب کیا دل میں مرے پند و نصیحت نے اثر
ناصح بیہودہ گفتار کی افواہیں ہیں

جنس دل کی وہ خریدار ہوئے تھے کس دن
یہ یونہیں کوچہ و بازار کی افواہیں ہیں

قیس و فرہاد کا منہ مجھ سے مقابل ہونگے
مردم وادی و کہسار کی افواہیں ہیں

یہ بھی کچھ بات ہی ہیں اور کروں غیر سے بات
تم نہ مانو کہ یہ اغیار کی افواہیں ہیں

کس توقع پہ جئیں **شیفتہ** مایوس کرم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہیں ہیں

خوشرو و بدخو ہیں کیا میں چاہوں
بیگانوں سے کیونکر آشنا ہوں

مت چھیڑ کہ یار سے جدا ہوں
اے مرگ میں آپ مر رہا ہوں

ممکن نہیں بن ملے نباہوں
بیگانۂ آشنانما ہوں

لیلیٰ کہے سے بگڑ گئی تھی
دیوانہ میں جانکر بنا ہوں

کہتا ہوں جو غیر سے نہ ملئے
کہتا ہے کہ کیا میں بیوفا ہوں

روشن ہے مری سیاہ بختی
منّت کش سایۂ ہما ہوں

بیگانہ وشی ستم ہے اُن کی
غیروں کو بھی یار جانتا ہوں

اُس غیرت گل سے ربط معلوم
ہرچند میں ہمدم صبا ہوں

ہمدم نہ سہی محبت اُس کو
اس بات پہ کیا اُسے نہ چاہوں

دی غیر کو اُس نے کب عرق چیں
میں شرم سے آب کیوں ہوا ہوں

دیکھا نہیں مجھکو سُنتے ہیں وہ
کیا پائے رقیب کی صدا ہوں

مکشوف ہوا فروغ مے سے
ذرّہ میں کس آفتاب کا ہوں

میں **شیفتہ** ہوں عزیز دلہا
شیریں گفتار خوش نوا ہوں

عہد ثبات عہد پہ ہے متصل نہیں
اے شیفتہ تو یہ وہ پیماں گسل نہیں

الفت چھپا کے اور بھی شرمندہ میں ہوا
اظہار عشق غیر سے وہ منفعل نہیں

مت چھیڑ اے رقیب کہ مانند زلفِ یار
سر تا بپا شکستہ ہوں پر مضمحل نہیں

دل سختیاں سہے یہ کہاں نازکی تن
دلی کے سنگدل تو بتانِ چگل نہیں

کیا رو دیئے کہ تذکرۂ سوزِ رشک سے
وہ گل عرق عرق تو ہے لیکن خجل نہیں

پتھر وہ اوپر جسے مشکل ہے ٹالنا
فرہاد بے ستون تو سینہ کی سل نہیں

جو حال پوچھنا ہو تم اُس سے ہی پوچھ لو
مجھکو دماغ قصۂ غم ہائے دل نہیں

بہلائے کوئی جا کے کہاں جی کو ہائے ہائے
صحرائے قیس گھر کے مرے متصل نہیں

الگ جاؤ اپنو آ دگلے سب چلے گئے
اک **شیفتہ** رہا ہے سو وہ کچھ مخل نہیں

کن حسرتوں سے مرتے ہیں ہم تم کو غم نہیں
اپنے بھی مرگ مرگ تمنا سے کم نہیں

قاصد کے ساتھ بے ادبی ہو گی لاکلام
جز شکوہ اور کچھ مرے خط میں رقم نہیں

ہر شغل میں اہم ہے نگہبانی نفس
اس سے سوا جہان میں شغلِ اہم نہیں

ہرگز نہ چھپائے چمن زارِ عشق میں
جو مرغ آتشیں نفس شعلہ دم نہیں

سو بار امتحانِ وفا کر چکے پر آہ
اب تک بھی دوستی تمھیں دشمن سے کم نہیں

حیرت فروغ آئینۂ دل ہے وصل میں
بے وجہ ہی عتاب کہ آنکھوں میں نم نہیں

افسونِ پیر دیر کی تاثیر ہائے ہائے
وہم و خیال میں بھی شراب و صنم نہیں

آنکھوں کو نے ہوس کہ رخِ سادہ دیکھیے
سر میں ہوائے طرۂ پر پیچ و خم نہیں

دشمن کہیں گیا نہ ہو آنکھوں سے شیفتہ
اُس کی گلی میں آج نشانِ قدم نہیں

مجھے عاشق جو دیکھا پیر کنعاں نے جوانی میں
کہا کچھ تو بسر کی ہوتی تم نے شادمانی میں

جلے کیا کیا نہ عرضِ سوزشِ داغِ نہانی میں
عجب آرام تھا اے شمع ہم کو بے زبانی میں

عدو سے بات کی جب حرف آیا بیدہانی میں
غرورِ حسن کم ہوتا ہے الطافِ زبانی میں

یہ احسانِ اجل ہے شمع و گل جو گور پر لائے
یہ اُس کا کام ہے جو داغ رکھے زندگانی میں

کرم ہے مصلحت ظالم کہ شادی مرگ ہو جاؤں
ستم ہے فائدہ جب کام نکلے مہربانی میں

قلق سے نالہ موزوں نکل گئے تو کہتے ہیں
تمھیں کیا غم کہ لذت ہی تمھاری شعر خوانی میں

عدو بھی شامل لذت ہیں اس سے کاش ہم ہوتے
مزا آتا نہیں مجھکو تری شیریں زبانی میں

عدو سے کیوں اشارے اور ہم سے کیوں تغافل ہے
سزا ہے یہ ہمیں دعوی بہت تھا رمز دانی میں

بہک جاتے ہو بس اے شیفتہ ایسی ہی باتوں سے
کہ تم سر پاؤں پر رکھتے ہو وہ ہے سرگرانی میں

کب نگہ اس کی عشوہ بار نہیں
کب نگاہیں کرشمہ زار نہیں

غیر پر رحم یہ کیسے آیا
تم تو مانا ستم شعار نہیں

یہاں فغاں سے لہو ٹپکتا ہے
میں نوا سنج شاخسار نہیں

کلفت دل سے ہے جو آلودہ
گوہر اشک آبدار نہیں

ہم ہیں ایسے فراغ رو درویش
محفل پادشاہ سے عار نہیں

نہ جلا خانۂ عدو تو نہ ہنس
شعلہ آہ ہے شرار نہیں

باغ بے صرفہ چلکے کیا کیجے
جن سے تھی باغ کی بہار نہیں

بادہ بیہودہ پی کے کیا کیجے
اب وہ ساقی نہیں وہ یار نہیں

اے منجم عبث یہ نادانی
تو کچھ اندازہ واں کار نہیں

تو روش یاب مہر و ماہ غلط
تو ادا سنج روزگار نہیں

واقف اسرار آسمانی سے
جز حریفانِ بادہ خوار نہیں

چڑھ گئے ہیں کسی کے پھر دم پر
شیفتہ آج بیقرار نہیں

کون سے دن تری یاد اے بتِ سفاک نہیں
کونسی شب ہے کہ خنجر جگر چاک نہیں

لطف قاتل ہیں تامل نہیں پر کیا کیجے
سرِ شوریدہ میرا قابلِ فتراک نہیں

تجھ پہ اے دلبرِ عالم جو ہر اک مرتا ہے
اس لیے مرنے سے میرے کوئی غمناک نہیں

دل ہوا پاک تو پھر کون نظر کرتا ہے
اور دل پاک نہیں ہے تو نظر پاک نہیں

علم اور جہل میں کچھ فرق نہ ہو کیا معنے
ہم بھی بیباک ہیں پر غیر سے بیباک نہیں

قیس کو فضلِ تقدم ہے وگرنہ یہاں کیا
سرِ شوریدہ نہیں یا جگرِ چاک نہیں

ماسوی اللہ نہ رہے **شیفتہ** ہرگز دل میں
خسروی کاخ سرائے خس و خاشاک نہیں

کون ہے شہر میں جو کام ہوس یاب نہیں
کس جگہ زلف کی بو رخ کی تری تاب نہیں

مجھ پہ اس جلوے سے جو کچھ کہ گذرتی ہے نہ پوچھ
اسقدر شعلہ کبھی آفتِ سیماب نہیں

برق و باراں کے تلاطم کا کہاں تک مذکور
رخ پر نور نہیں دیدۂ پر آب نہیں

وضع کا حفظ ہے تو عشرتِ صحبت معلوم
بزمِ اغیار سے کم محفلِ احباب نہیں

اہل تحقیق کے نزدیک رخ زیبا کو
پردۂ شرم سے بہتر کوئی جل باب نہیں

سیر مہتاب کا واں عزم ہوا کیا موقوف
شب مہتاب میں لطف شب مہتاب نہیں

فیض حق عام ہی افسردہ دل زار نہ ہو
دشت کیا جلوہ گہ لالۂ شاداب نہیں

خواب میں بھی وہ نظر آئے ہیں غیر کے ساتھ
تلخ عیشوں کو میسر کہ شکر خواب نہیں

کیا وہ صحرا کہ جہاں شور نہ ہو رہزن کا
کیا وہ دریا کہ جہاں پیچش گرداب نہیں

پارسا کیا ہوئے تم شیفتہ شادی بھی ہوئے
باغ کو چلتے ہو اور ساتھ مئے ناب نہیں

ناز و تمکیں ہی وہاں صبر کی یہاں تاب نہیں
یہی صورت ہی تو کچھ بننے کے اسباب نہیں

طرفہ نیرنگ محبت میں نظر آتے ہیں
برق آنکھوں سے ٹپکتی ہی پہ خوناب نہیں

ہائے وہ شوق ملاقات عدو میں جاگے
جس کے آنکھوں کے تصور میں مجھے خواب نہیں

منع کیوں عشق مجازی سے ہمیں کرتے ہو
زاہد و دہر مگر عالم اسباب نہیں

جان کی شکل دکھائی ہے بنا کر تجھکو
دل کی تصویر بنائی ہی یہ سیماب نہیں

بحر و بر میں کہیں آرام نہیں خاطر خواہ
بحر میں خار نہیں دشت میں گرداب نہیں

کہیئے اعدا کی بھی کچھ دلشکنی ہی منظور
یہ تو مانا کہ تمھیں خاطر احباب نہیں

کلفت آلودہ نظر پڑتی ہی مشتاقوں پر
خسروی بزم میں بھی صرف مئے ناب نہیں

کل یوم ہو فی شان کی ہے جلوہ گری
اور وجہ شب تار و شب مہتاب نہیں

شکوہ آئین محبت میں ہے ایجاد لطیف
نسخۂ اصل میں ہر چند کہ یہ باب نہیں

غمزہ نادر طلب اور عشوہ ہے نایاب پسند
جنس یہاں دل ہے سو نادر نہیں نایاب نہیں

شیفتہ عشق کی یہ دھوم اور اتنا حضرت
دل بیتاب نہیں دیدۂ بیخواب نہیں

جی جائے پر جفا میں ہمارا زیاں نہیں
قدر وفا نہیں ہے اگر امتحاں نہیں

ہم بھی دکھاتے غیر سے اخلاص کا مزا
آفت تو یہ پڑی ہے کہ تم بدگماں نہیں

جو دیکھنا ہو دیکھ لیں اختر شناس جلد
نالے اگر یہی ہیں تو پھر آسماں نہیں

اسرار عشق بھی جو حریفوں نے کہہ دیئے
پھر اب کوئی جہان میں راز نہاں نہیں

ہم آئے ہیں جہاں سے وہیں کا خیال ہے
جز شاخ سدرہ ہمکو سر آشیاں نہیں

واں شغل داستاں ہے یہاں داستان شوق
پر کیا کروں کہ دوست کوئی قصہ خواں نہیں

حرف درشت غیر سبک وضع بھی سہی
میں وہ ہوں جس پہ بار امانت گراں نہیں

رنگیں تھی بے گناہوں کے خوں سے سواد شہر
حال آنکہ واں ہنوز سر امتحاں نہیں

حکمت ہی ہوگی بر نہ جو دے ہمکو جائے دل
نے مصلحت صلاح و فساد جہاں نہیں

کیوں عار بزم شاہ سے کرتے ہیں اہل فقر
کچھ فرش بوریا سے تو کم پرنیاں نہیں

چلیے چمن کو بجم سحر جلوہ گر ہوا
پروین نہیں نبات نہیں کہکشاں نہیں

کیونکر سُنیں وہ شہرت اگر کو بکو ہوا
افسوس کم شکیب مرا رازداں نہیں

آئینہ جلوہ گاہ پری ہے نہ دیکھنا
نظارۂ پری کی بشر کو تواں نہیں

ہم نے بھی ہزل و بذلہ گوارا کیا کہ واں
فخرِ فضیلت و شرف و دودماں نہیں

مشہور روزگار ہی محسود روزگار
بے التفاتیوں سے ہمارا زیاں نہیں

گر ہے فریب غمزۂ جادو اثر یہی
دلداری ایک شہر کی مشکل وہاں نہیں

کچھ ہم پر آپ پر نہیں موقوف شیفتہ
کس کس کے دلپذیر وہ رعنا جواں نہیں

دل کا گلہ فلک کی شکایت یہاں نہیں
وہ مہرباں نہیں تو کوئی مہرباں نہیں

ہم آج تک چھپاتے ہیں یاروں سے رازِ عشق
حالانکہ دشمنوں سے یہ قصہ نہاں نہیں

زیبا نہیں ہے دوست سے کرنا معاملہ
کچھ ورنہ نازِ جاں کے بدلے گراں نہیں

ہم زمرۂ رقیب میں ملکر وہاں گئے
جب شوق رہنما ہو کوئی پاسباں نہیں

آشفتہ مثل باد ہوں بیتاب مثل برق
کیونکر سعین چرخ تری شوخیاں نہیں

ہم آپ نثار کریں کائنات کو
پر کیا کریں بساط میں جز نیم جاں نہیں

ساماں وجد فتنۂ محشر کو دے دیا
وہ خاک پر ہماری جو دامن فشاں نہیں

کیوں ہیں ندیم دوست سفارش میں غیر کی
کیا ہمکو اُن سے رسم و رہِ امتحاں نہیں

اک حال خوش میں بھول گئے کائنات کو
اب ہم وہاں ہیں مطرب و ساقی جہاں نہیں

کس کس پہ رشک کیجیے کس کس کو روئیے
کس دن وہ جلوہ آفتِ صد خانماں نہیں

کیوں یہ ہجوم شور و شغب ہی نشور میں
ایسا تو شیفتہ ہمیں خوابِ گراں نہیں

آرام سے ہے کون جہانِ خراب میں
گل سینہ چاک اور صبا اضطراب میں

سب اُسمیں محو اور وہ سب سے علاحدہ
آئینہ میں ہے آب نہ آئینہ آب میں

معنی کی فکر چاہیے صورت سے کیا حصول
کیا فائدہ ہے موج اگر ہے سراب میں

لے بادِ نوبہار ہے اب سے شمیم گل
ہمکو بہت ثبات رہا اضطراب میں

حیرت ہے کیا نقاب ہیں کس رنگ رنگ کی
نیرنگ جلوہ سے ہے تنوّع نقاب میں

فرصت کہاں کہ اور بھی کچھ کام کیجیے
بازی میں جیسے صرف ہے شیشہ شراب میں

ذات و صفات میں بھی یہی ربط سمجھیے
جو آفتاب روشنی آفتاب میں

قطع نظر جو نقش و نگارِ جہاں سے ہو
دیکھو وہ آنکھ سے جو نہ دیکھا ہو خواب میں

طوبیٰ لہم جو کشتۂ عشقِ عفیف ہیں
کیا شبہ اس گروہ کے حسنِ مآب میں

مرنے کے بعد ہی کہیں شاید پتا لگے
کھویا ہے ہم نے آپ کو عہدِ شباب میں

پھر ہی ہوائے مطرب و مے ہمکو شیفتہ
مدت گذر گئی ورع و اجتناب میں

شوخی نے تیرے لطف نہ رکھا حجاب میں
جلوے نے تیرے آگ لگائی نقاب میں

آ نغمہ گر ہو چرخ میں لا آسمان کو
آ رقص کر زمین کو ڈال اضطراب میں

سو مہر کا فروغ ہی وہاں جلوہ گاہ میں
سو باغ کی شمیم ہی وہاں رختِ خواب میں

وہ قطرہ ہوں کہ موجۂ دریا میں گُم ہوا
وہ سایہ ہوں کہ محو ہوا آفتاب میں

سالک کی یہ مراد کہ مجھ سا ہو نفس بھی
رہزن کو یہ خیال کہ رہرو ہو خواب میں

اُس صوتِ جاں نواز کا ثانی بنا نہیں
کیا ڈھونڈھتے ہو ربطِ عود و رباب میں

اے وائے روزِ حشر اگر ہم سے ہو سوال
جو کچھ کیا ہی ہم نے شبِ ماہتاب میں

آتا ہی کون کون کہ آتے ہیں اب نظر
دربانِ انفعال میں حاجب حجاب میں

شرمِ گنہ نہ بیمِ عقوبت یہ رنج ہے
ہی ہی اُٹھائی اُس نے اذیّت عتاب میں

پوچھی تھی ہم سے وجہ ملاقات مدعی
اک عمر ہو گئی اُنھیں فکرِ جواب میں

لڑتی نہ جائے آنکھ جو ساقی سے شیفتہ
ہمکو تو خاک لطف نہ آئے شراب میں

ناچار ہیں خموش وہ ناحق عتاب میں
طاقت تھی جتنی صرف ہوئی اضطراب میں

بوسے کئے قبول تو گنتی بھی چھوڑ دو
ایسا نہ ہو کہیں پڑے جھگڑا حساب میں

بیباک کسقدر ہے کہ ڈوبا ہوا ہی سب
دامن لہو میں اور گریباں شراب میں

شاید کہ پڑگئی ہے کسی شیخ کی نظر
ہم نے دھڑک جو کرتے ہیں توبہ شباب میں

آخر جہان میں شبِ تاریک بھی تو ہے
اچھا نہ آئیں آپ شبِ ماہتاب میں

ای آفتِ زمانہ ترے دور میں شکیب
بلبل کو باغ میں ہی نہ ماہی کو آب میں

ہوتا ہی اژدہام تمنا اُسی قدر
ہوتی ہی جتنی دیر کشادِ نقاب میں

جور و ستم عیاں ہی وفا و کرم نہاں
لڑتے ہیں جاگتے میں مناتے ہیں خواب میں

بیباک شیوہ شوخ طبیعت زباں دراز
ملزم ہوا ہی پر نہیں عاجز جواب میں

اُس نے دمِ وداع کئے عہدِ التفات
افسوس میں نے کچھ نہ سُنا اضطراب میں

تکلیف شیفتہ ہوئی تمکو مگر حضور
اس وقت اتفاق سے وہ ہیں عتاب میں

گر کچھ خلل نہ آئے تمہارے فراغ میں
حسرت کا ہی ہجوم دلِ داغ داغ میں

مشاطہ باغباں کی طرح بیقرار ہے
میں اُن کے پاس کیا ہوں کہ گلچیں ہے باغ میں

پہلے نہ تھا جہاں میں دل داغدار کیا
مشہور اسقدر جو ہوا لالہ داغ میں

جو رادیے شوق حبیب و غم نشور
اپنا کوئی زمانہ نہ گذرا فراغ میں

صہبائے لالہ فام کہاں اور ہم کہاں
خونابۂ جگر ہی ہمارے ایاغ میں

معلوم ہی کہ ایلچیوں کو زیاں نہیں
قاصد نہ بھیجیو ہرگز بلاغ میں

فانوس شیشہ و لگن زر سے کیا حصول
وہ ہی وہاں جہاں نہیں روغن چراغ میں

نہ طاقت شکیب نہ اندازۂ ستیز
بیجا ہی اہتمام تلاش سراغ میں

اُس نوبہار حسن کو بدنام مت کرو
تھے شیفتہ کے پہلے ہی شورش دماغ میں

پائی ہی بوئے دوست عنادل نے باغ میں
پروانوں پہ ہوئی ہی تجلّی چراغ میں

اُس کا پتہ ملے تو ہمارا پتہ ملے
کھویا ہی ہم نے آپ کو جس کے سراغ میں

مشکوئے شہ ہوا سے ہی پر عیش وہاں کہاں
عشرت فقط نصیب ہی کنج فراغ میں

عارف نہیں وہ حفظ مراتب جسے نہو
جو جلوہ باغ میں ہی کہاں ہی وہ راغ میں

ہر چند ایک نور سے روشن ہی بزم دہر
جو نور مہر میں ہی کہاں وہ چراغ میں

ایک قطرہ جس کا مست کرے کائنات کو
اے بے خبر وہ مے ہی ہمارے ایاغ میں

بلبل نے گل کبھی نہیں دیکھا جو دیکھ لے
زنہار پھر نہ فرق کرے دشت و باغ میں

سو بار ان لگا تو پڑھو حسن دوست پر
ساماں صد بہار ہی ایک ایک داغ میں

پیری میں سیر باغ کی تقریب شیفتہ

معشوقہ ساتھ ہی نہ خلل ہی دماغ میں

عید ہی اور ہمکو عید نہیں / اگر آجایئے بعید نہیں

لاش تیری رسید تھی خط کی / خط کی یہ نامہ بر رسید نہیں

قیس کو جو کہے خفیف العقل / رائے اُس شخص کی سدید نہیں

گریہی ہی ہجوم ابرِ سیاہ / گر کوئی می پیئے بعید نہیں

ہم اگرچہ ہیں اندنوں مقبول / لیکن اغیار بھی طرید نہیں

آج بھی منع بادہ اے زاہد / تیرے نزدیک عید عید نہیں

ذکر میرا سنو نہ مجنوں کا / لطف بے قصہ جدید نہیں

دور ہیں اسکے چشم و مژگاں کی / کس جگہ تربتِ شہید نہیں

نیند آئی رقیب آتا ہے / رخصت اتنی تو ہم بلید نہیں

شگفتہ اور بھی ہیں نغمہ سرا
پر یہ آہنگ یہ نشید نہیں

ہی گونہ گونہ شک ابھی عفو گناہ میں / جو ہی زبان پر وہ نہیں ہی نگاہ میں

تمکین اضطراب ہی بیداد التفات / کیا شوخئ اثر ہی سراسیمہ آہ میں

ہر خار و خس ہی وجد میں ہر سنگ و خشت مست / کیا میکشوں نے آکے کہا خانقاہ میں

دشمن سے بھی زیادہ ہی گو دوست کیوں نہو
ملجائے جو کوئی ترے کوچہ کی راہ میں

سرگشتہ انکے پھرنے سے ارباب درد ہیں
کیا فرق چرخ اخضر و چشم سیاہ میں

صیاد دلفریب کا اللہ رے لطف عام
بے زخم ایک صید نہیں صیدگاہ میں

ہی مجھ میں اور غیر میں نسبت وہی جو ہی
اندیشۂ درست و خیالِ تباہ میں

دن رات جسکو دیکھتے ہیں مہر و ماہ کے
یہ روشنی نہ مہر میں دیکھی نہ ماہ میں

یہاں بے زوال نعمتِ کمیاب عشق ہی
دعویٰ ہی بوالہوس کو اگر مال و جاہ میں

ہی جلوہ گر کرشمہ کہ انصاف پیشگی
ہلدی لگی ہوئی ہے سرِ دادخواہ میں

تجھکو نظر نہ آئے تو اپنا علاج کر
ہی مرغزار جلوہ نما برگ گاہ میں

دھوکا مجھے کو صرف نہیں میل یار کا
دیکھا بڑے بڑوں کو اسی اشتباہ میں

ہر شیوہ اُس کا اپنی جگہ میں تمام ہی
اعجاز بات میں ہی تو جادو نگاہ میں

افسردہ خاطری وہ بلا ہی کہ شیفتہ
طاعت میں کچھ مزا ہی نہ لذت گناہ میں

ہم سے جو ہو غبار تو دشمن سے صاف ہو
تقصیر ہو کسی سے کسیکی معاف ہو

ہرگز ترے لبوں سے نہ چھوٹیں گے کام دل
سو بار آئیں غیر سے گو لام و کاف ہو

دل دینگے مال دینگے مگر جان سو بخیر
بیہودہ ہی وہ شخص جو سرگرم لاف ہو

کافی ہی خوش گذرنے کو دنیا میں اسقدر
معشوق خوش مزاج ہو وجہ کفاف ہو

موصوف ہو ضرور جفا و عتاب کا
حسن و جمال میں جو کوئی یہاں مضاف ہو

ہی رشک بار عام غضب کیا عجب اگر
کنجِ خمول میں ہو ہمیں اعتکاف ہو

گر عفو ہو قصور تو اک عرض ہی ہمیں
یہ عرض ہی قصور ہمارا معاف ہو

غالب ہی کچھ تو فرق پڑے وہاں کی سیر سے
وحشت میں گر گذار میرا سوئے قاف ہو

رفتار چرخ ہی اسے شیوہ پہ دور کیا
گر آپ کی روش بھی ہمارے خلاف ہو

ہاں تو شگاف در سے لڑا آنکھ غیر سے
تیری بلا سے دل میں کسی کے شگاف ہو

جو قیس کی روش تھی وہی اپنی راہ ہی
دونوں سلیم فکر ہیں کیوں اختلاف ہو

وہ طرز فکر ہم کو خوش آتی ہی شیفتہ
معنی شگفتہ لفظ خوش انداز صاف ہو

فروغ مہر نہ ہو رخ پہ گر نقاب نہو
نقاب اُٹھا کہ یہ لمعانِ آفتاب نہو

بھرے ہیں رنگ تکلف سے اہلِ میخانہ
شراب بس ہی نہیں ہی اگر کباب نہو

کہیں نہ جانے بت مہروش یہ ممکن ہے
خلل پڑے متحرک جو آفتاب نہو

ہی دل کو شکر وفائی عدو سے بیتابی
کروں میں کچھ گلہ لطف گر عتاب نہو

حجاب منظر مقصود ہی طلسم خودی
جو یہ طلسم نہ ٹوٹے تو فتح باب نہو

عزیز ہی بہت میکش کو چشمِ تر یعنی
نہ ہو سحاب تو کیفیتِ شراب نہ ہو

بہت ہی دھوم مچاتے ہیں میکدہ میں رند
مجھے یہ ڈر ہی کہیں مدرسہ خراب نہ ہو

وہ ماہتابی پہ بیٹھے ہیں اور ہی شبِ ماہ
خلافِ شان ہی رُخ پر اگر نقاب نہ ہو

غضب ہی قہر ہی دیکھے وہ چشم یہ جلوہ
جسے کہ مہر کی بھی دیکھنے کی تاب نہ ہو

وہ روئی نالۂ موزوں **شیفتہ** سُنکر
یہ وہ غزل ہی کہ جس کا کبھی جواب نہ ہو

غیر سے حرفِ تمنائے جفا کہتے ہو
کس سے کہتے ہو تمھیں خبر ہے کیا کہتے ہو

زندگی خاک ہو جب فہم میں اتنا ہو خلاف
ہم اجل کہتے ہیں تم جسکو حیا کہتے ہو

کہتے ہیں لافِ وفا موت سے پہلے کیسی
ہم نہیں جانتے تم کسکو وفا کہتے ہو

گلۂ جور پہ کہتے ہیں زہے نا فہمی
ناز ہم کرتے ہیں تم اُسکو جفا کہتے ہو

شیفتہ شکوۂ دشمن سے بس آگے نہ بڑھو
دیکھو وہ دوست ہی تم کسکو بُرا کہتے ہو

توسنِ ناز اُٹھاتے کیوں ہو
خاک میں شہر ملاتے کیوں ہو

ناصحو یوں بھی تو مر جاتے ہیں
عشق سے مجھکو ڈراتے کیوں ہو

تابِ نظارہ نہیں پہلے ہی یہاں
تم مجھے آنکھ دکھاتے کیوں ہو

میرے نزدیک ہو لیلےٰ سے سوا — قصۂ قیس سناتے کیوں ہو
حاصل اس سلسلہ جنبانی سے — پائے خوابیدہ جگاتے کیوں ہو
عرضِ غم حوصلۂ غیر کہاں — مجھسے تم بات بناتے کیوں ہو

آتشِ عشق کہیں بجھتی ہے
شیفتہ اشک بہاتے کیوں ہو

ربط وہاں ہاتھ کو جب غیر کے داماں سے ہو — کیوں نہ یہاں ہاتھ کو پھر ربط گریباں سے ہو
جلوۂ دوست اگر دیکھے تو میرا دمہ — پھر پریزاد کو وحشت اگر انساں سے ہو
جو خوشی خط سے تمہارے ہوئی اس مہر کی قسم — وہ شہ ہند و شہ روم کے فرمان سے ہو
حسن کیا کس امارت ہے کہ ممکن ہی نہیں — ربط اُن سے نہ کرے کوئی جو ارکان سے ہو
میں نہیں جانتا آپ آئیں وہ یا خط بھیجیں — پر مرے دلکو تسلی کسی عنوان سے ہو
ہر ورق میں ہے عیاں جلوۂ نیرنگِ بہار — کیوں نہ دیوانوں کو شورش مرے دیوان سے ہو
چھیڑ دیکھو کہ کہا دونوں کو ذلت ہو نصیب — پھر تجھے غیر سے ہو غیر کو دربان سے ہو

کس نے تاراج کیا ملکِ دل و دیں سے کہئے
آج تم شیفتہ کچھ لٹے سر و ساماں سے ہو

اضطرابِ جرس ہے کیوں دل کو — کہیں جنبش ہوئی ہے محمل کو

بوسۂ لب نہ مانگنا دشمن
گل کو ہے اُس کے کان سے تشبیہ
غمزدہ تیرے چشم کا فرکا
تجھ سے اے رشکِ حور جو دوں تشبیہ
اب وہ نوخط ہے ملتفت دیکھا

منہ لگاتا ہے کون سائل کو
کیا سُنے نالۂ عنادل کو
سمجھے اعجازِ سحرِ بابل کو
نہ نقصانِ ماہِ کامل کو
نقشِ تسخیرِ خطِ باطل کو

ہائے وہ شیفتہ کی بیتابی
تھام لینا وہ تیری محمل کو

اے فلک یوں کامیابِ عیش کر پرویز کو
سعی وصفِ نازنیں ہی فکر کی شبدیز کو
دیکھکر چشمِ غضب کو اُس کے میں نے رو دیا
سانپ کے سونگھے ہوئے سے بے خبر ہوں مجھے
کب ہوئیں گستاخیاں آداب دانِ عشق سے
نالۂ موزوں کی بے پروا خرامی دیکھنا
کیوں نہ شادی مرگ ہونا کام مجھسا دیکھکر
خطِ آزادی تھا نامہ غیر کا اے جوشِ رشک

خواب شیریں بھی نہ فرہاد شور انگیز کو
شوخیاں ابرو سے لینی چاہیئے مہمیز کو
چاہیئے پانی ملا لینا شرابِ تیز کو
سونگھ لینی دو شمیمِ زلفِ عنبر بیز کو
دیجیے تجویز اپنی تمکین ہوس انگیز کو
کر دیا خلوت نشیں غوغائے رستاخیز کو
زخم کے مُنہ میں زبانِ خنجرِ خونریز کو
پھاڑ ڈالا آپ ہم نے کیسی دستآویز کو

اہل محفل کی پسند طبع یہ انداز ہی
شیفتہ کسکو سناتے شعر درد آمیز کو

کچھ تو شیریں کام کر تلخی کش بیداد کو
دے کفن تو عشق شیریں باف کا فرہاد کو

آہ وزاری نارسا شوق اسیری بے اثر
کون لائے آشیانے تک مرے صیاد کو

تلخ کام عشق شیریں بھی ہوئی پایان کار
یہ نوید شور افزا بھیجئے فرہاد کو

کہتے ہیں زیر زمیں لیلی و مجنوں مل گئے
ہمکو بھی لازم ہی جانا وہاں مبارکباد کو

اک دم شمشیر سے آزار سب جاتے رہے
ہم مسیحا جانتے ہیں شیفتہ جلاد کو

اے دل جو ہو سو ہو نہ ترے گرم فغاں نہو
یہ جور یار ہے ستم آسماں نہو

دلبستگی جو ایسی ہی قاصد سے کیا عجب
گر حلق زخم خوردہ سے بھی خوں رواں نہو

مہر و وفا جو ماہ وشوں سے بعید ہے
راضی ہیں ہم اسی میں کہ نامہرباں نہو

کیا کیا بیاں کرتے ہیں نادر نکات ہم
لیکن جب انجمن میں کوئی نکتہ داں نہو

صدق و صفا و مہر و وفا واں نہ ڈھونڈھنا
جس شہر و دیہہ میں کہ سرائے مغاں نہو

آتی ہی فصل گل میں چمن سے ہوائے گرم
صیاد نے جلایا کہیں آشیاں نہو

کیا ہو دعائی مرگ میں اس شخص کو حجاب
جو نیم کشتۂ خنجر درد نہاں نہو

صوتِ حزیں سے کچھ ہو نہ شکلِ جمیل سے　　گر صاحبِ معاملہ آزردہ جاں نہو

ایسا ہی سب کو چشم سخنگو سے شیفتہ
پھر میرے قتل پر کوئی کیا ہمزباں نہو

ہی بد بلا کسیکو غمِ جاوداں نہو　　یا ہم نہوں جہاں میں خدایا جہاں نہو
آئینِ اہلِ عشق کہاں اور ہم کہاں　　ای آہ شعلہ بار نہو خوں چکاں نہو
فعلِ حکیم عین صلاح و صواب ہی　　ساقی اگر شراب نہ دے سرگراں نہو
تدبیر ترکِ دشمنِ جاں کی ہی رات دن　　کس طرح پھر مجھے گلۂ دوستاں نہو
کیا وہ متاع جسکی نہو کوئی گھات میں　　ڈرتا ہوں میں جو دزدِ پسِ کارواں نہو
جب تک فروغِ مے سے نہو سینہ نورزار　　ہرگز حریفِ میکدہ اسرار داں نہو
لازم ہی یا یہی تو ہو بیتاب ورنہ کیا　　وہ عشق ہی کہ رنج یہاں ہو وہاں نہو
ناحق وہ جی جلاتے ہیں سودائے عشق پر　　جن کو یہ سوچ ہی کہ کچھ اسمیں زیاں نہو

ہم ہوئے دوست تجھکو سنگھائیں گے شیفتہ
محوِ شمیم طرّۂ عنبر فشاں نہو

تہمت لگا کر اُنکو کوئی کیا خجل نہو　　وسواس ہمکو جب ہو جو آئینہ دل نہو
تقوے میں ہم شریک ہیں رندی میں ہم شریک　　صحبت سے اپنی کوئی ملول و خجل نہو

زنجیر آدھی رات کو کھٹکائے اور کون
تنہا ملا ہے یار زمانِ دراز میں
افسردگی کے اپنے جو گرمِ بیاں ہوں ہم
دشمن کے افترا سے رہائی محال ہے

ای جذبِ اشتیاق وہ پیماں گسل نہو
ای فرطِ جوشِ شوق بس اب تو مخل نہو
آتش کبھی جہان میں پھر مشتعل نہو
گھر بار کا جو گھر کے مرے متصل نہو

پھر دلدہی میں گرم ہی دلدار شیفتہ
ڈرتا ہوں میں کہ پھر کہیں خواہانِ دل نہو

اتنی جمیل سے تو کبھی اُنس و خو نہو
ہی گل کا رنگ تجھ سے مشابہ نہ دیکھیے
سب آرزوئیں تجھ سے فلک نے نکالدیں
جانا کہیں ہو جاتے تھے یا تیرے گھر کی راہ
یا غیر سے بھی خوش تھے کہ تیرا تو دوست ہی

ڈرتا ہوں آفتاب سے اب میں کہ تو نہو
بچیئے صبا سے بھی کہ کہیں تیری بو نہو
یہ آرزو ہی اب کہ تری آرزو نہو
یا اب یہ ڈر ہی راہ میں تو روبرو نہو
یا اب خفا ہوں اُس سے جو تیرا عدو نہو

جب تک کہ تم رقیب سے ملنا نہ چھوڑدو
ملجائے تم سے شیفتہ ایسا کبھو نہو

کچھ پیچ و تابِ دل کا جبیں پر اثر نہو
سامانِ عیش جمع مگر ہم کو اجتناب

اتنا تو حوصلہ ہو اگر بیشتر نہو
کیا کیجئے جو حکمِ قضا و قدر نہ ہو

اُن کو وہ لاف مہر و وفا ہو کہ کیا کہوں
ہمکو گر اہتمام تلاشِ خبر نہو

ناصح جو کام ترکِ وفا سے لیا تو کیا
جو بات عیب کی ہی وہ ہرگز ہنر نہو

ہم وہ نہیں کہ اُس کو بھی رکھیں حساب میں
جس آہ کا کہ چرخِ نہم تک گذر نہو

کیا تاب ہی کہ تابِ مژگاں ہو جلوہ گر
جس قطرۂ سرشک میں لختِ جگر نہو

امیدوار جلوۂ معنی غلط نہیں
جو نکتہ فہم محوِ نقوش و صُور نہو

ہرچند مجھ سے بے سبب آزردہ ہی مگر
ڈرتا ہوں میں منانے سے آزردہ تر نہو

ہیں آنے والے شیفتہ کچھ دوست اور بھی
مطرب کو حکم ہو کہ ابھی نغمہ گر نہو

جب تک وہ مہر جلوہ یہاں جلوہ گر نہو
لاکھ آفتاب ہے شبِ ہجراں سحر نہو

کیا مانگتے ہو جان بہت لوگ دے چکے
وہ بات ہم سے کہیئے کہ حدِ بشر نہو

کسکو کیا پسند نہ کیونکر کروں پسند
مجھکو نظر نہو جو غرورِ نظر نہو

یہ شوق ہرزہ تاز بہت منفعل کرے
دربانِ دوست دوست ہمارا اگر نہو

میخانے میں رہو کہ نہ دیکھو گے عمر بھر
وہ شام جس میں پرتوِ فیضِ سحر نہو

آئینِ ناز کینہ و رسمِ ادا ستم
معشوق بے ہنر ہے جو بیداد گر نہو

یاروں کو رنج ہو یہ گوارا نہیں مجھے
ایسی جگہ مروں کہ کسیکو خبر نہو

اُن کا لگاؤ اور بھی کرتا ہے بیقرار
وہاں کچھ نہو تو جوش یہاں اسقدر نہو

وہ نالہ چاہتے ہیں کہ برہم کرے جہاں
لیکن یہ شرط ہی کہ ہمیں کچھ اثر نہو

اُڑتی سی شیفتہ کی خبر کچھ سُنی ہی آج
لیکن خدا کرے یہ خبر معتبر نہو

نفس سرکش کی کسی ڈھب سے رعونت کم ہو
چاہتا ہوں وہ صنم جس میں محبّت کم ہو

کیا عجب دو رہو آتش سے حرارت لیکن
ہی عجب اُنکی اگر دل سے شرارت کم ہو

منع کی حرص پر انسان ہوا ہی مجبول
ناصحو دوست اگر ہو تو نصیحت کم ہو

جان پُرشغلہ فارغ ہو جو تم کو دیکھے
دل بے وسوسہ کو تم سے فراغت کم ہو

شمع رویوں سے بڑھا ربط بڑھی ظلمت دل
ورنہ جتنا کہ سوا نور ہو ظلمت کم ہو

اثر عشق کی افسانے جو سُن رکھے ہیں
حکم عشاق کو ہی یہ کہ محبت کم ہو

ہم نے دیکھا ہی وہ صیقل کدہ اللہ اللہ
کہ جہاں آئینہ دل سے کدورت کم ہو

نغمہ پُردرد ہی شورش سے آفات معلوم
بادہ پُرزور ہی کیا نشہ کی شدّت کم ہو

شیفتہ کیسی ہی معنی ہوں مگر نامقبول
اگر اسلوب عبارت میں متانت کم ہو

اُٹھ صبح ہوئی مرغ چمن نغمہ سرا دیکھ
نور سحر و حسن گل و لطف ہوا دیکھ

دو چار فرشتوں پہ بلا آئے گی ناحق
ای غیرت ناہید نہ ہو نغمہ سرا دیکھ

منت سے منافی ہیں مجھے میں نہیں منتا
اوضاع ملک دیکھ اور اطوار گدا دیکھ

گر بوالہوسی یوں تجھے باور نہیں آتی
ایک مرتبہ اغیار کے قابو میں تو آ دیکھ

عاشق بھی سہی پر کوئی فرہاد سا ہوگا
کاشانۂ دشمن میں نہ ہو جلوہ نما دیکھ

اتنی نہ بڑھا پاکئ دامن کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

ایک دم کے نہ ملنے پہ نہیں ملتے ہیں مجھ سے
اے **شیفتہ** پابوسی امید فزا دیکھ

کہوں میں کیا کہ کیا درد نہاں ہی
تمہارے پوچھنے ہی سے عیاں ہی

شکایت کی بھی اب طاقت کہاں ہی
نگاہِ حسرت آہِ ناتواں ہے

نشانِ پائے غیر اُس آستاں پہ
نہیں ہی میرے مرقد کا نشاں ہی

اجل سے کی ہی کس دم مہربانی
کہ جب پہلو میں وہ نامہرباں ہے

تجھے بھی مل گیا ہے کوئی تجھ سا
اب آئینے سے وہ صحبت کہاں ہی

یہ کس گلرو کا عالم یاد آیا
دم سرد اک نسیم بوستاں ہی

ہوئی بیتابئ بلبل سو شر
کہ گھبرایا ہوا کچھ باغباں ہی

سحر اُن کو ارادہ ہے سفر کا
قیامت آنے میں شب درمیاں ہی

کوئی یہاں لاؤ اُس عیسیٰ نفس کو
کہ مرتا شیفتہ نام اک جوان ہی

یاد آئے گی جو عطرفشاں اُسکی کو نے مجھے
لیجاے گی بہشت میں گلشن کی بو نے مجھے

اے چرخ تیری دور میں انصاف ہی یہی
وصلِ صنم عدو کو ہو رشکِ عدو نے مجھے

رحم اے ہجومِ شوق کہ سنبل سے باغ میں
یاد آئیگا وہ طرۂ تابیدہ مو نے مجھے

دشمن کٹے جو شکر کے سجدے سے وقتِ قتل
شاید کہ آبِ تیغ سے ہوگا وضو نے مجھے

تا صبحِ حشر بخت مرے جاگتے رہیں
اک بار صبح آکے جگائے جو تو نے مجھے

تشبیہ تیری زلف سے دی ہو نہ غیر نے
سنبل سے عطرِ فتنہ کی آتی ہی بو نے مجھے

تابِ وصال اُس سمن اندام کو کہاں
بس بس نہ چھیڑ اے خلشِ آرزو نے مجھے

جاتا ہوں کوے غیر میں صحرا کے بدلے میں
دیوانگی میں بھی ہی تری جستجو نے مجھے

وہ مانعِ تپش ہی تمھیں شوقِ اضطراب
بھاتی نہیں ہی شیفتہ ایسی بھی خو نے مجھے

اگلی رشک اُنکو یاد آنے لگی
ہم جو غیروں کے گھر میں جانے لگے

کچھ بناوٹ سے تو نہیں یہ غش
تمنے مجھے عطر کیوں سنگھانے لگے

ہیپے داغوں کا ذکر کرتے ہیں
بارے غیروں کو بھی جلانے لگے

تلخ کامی کی گر کہیں لذت — چرخ غالب کہ زہر کھانے لگے

میرے رونے میں تو نہیں تاثیر — غیر پھر اشک کیوں بہانے لگے

غیر سے کب ہوا ہے ترک کلام — باتیں تم ہم سے بھی بنانے لگے

ہم جو تحریک ناتوانی سے — قصہ ہائے ستم سنانے لگے

سنکے کہنے لگے کہ ہاں سچ ہے — تم مرے ناز کیوں اٹھانے لگے

وہ غزل ہم نے شیفتہ لکھی
جس کو زہرہ بھی سن کے گانے لگے

اور الفت بڑھ گئی اب اُس ستم ایجاد سے — اک نئی لذت جو پائی دل نے ہر بیداد سے

غیر کو اللہ وہ فرقت اب مبارک ہو کہ یہاں — دھیان جاتا ہی نہیں اُسکا دلِ ناشاد سے

عشق میں یہ مرحلہ بھی پیش آتا ہے ضرور — کسکو امیدِ اثر ہے نالہ و فریاد سے

مجھ سے کیا کیا شاد ہوگی روح قیس و کوہکن — پھر نظر آتے ہیں کوہ و دشت کچھ آباد سے

ہیں وہ قابو میں عدو کے بس یہی تدبیر ہے — جائیں اُسکے پاس نالاں یار کے بیداد سے

رشک آزادی پہ ہے ایسے اسیروں کی مجھے — چھُٹ گئی جو جان دیکر پنجۂ صیاد سے

ڈوب مرنے کی جگہ ہے غسل صحت ہجر میں — رو دیتا ہوں احبا کی مبارکباد سے

وہ قتیلِ تیشہ ہے میں کشتۂ ابروے یار — یار بیجا مجکو نسبت دیتے ہیں فرہاد سے

چھیڑتے کیوں ہو مجھے جانے دو ان باتوں کو بس
تم بھلا جاتے رہو گے **شیفتہ** کی یاد سے

پھر محرک ستم شعاری ہے
پھر انھیں جستجو ہماری ہے
پھر وہی داغ و دل سے صحبت گرم
پھر وہی چشم و شعلہ باری ہے
پھر وہی جوشِ نالہ و فریاد
پھر وہی شور آہ و زاری ہے
پھر خیالِ نگاہ کافر ہے
پھر تمنائے زخم کاری ہے
پھر وہاں طرزِ دلنوازی ہے
پھر یہاں رسم جاں نثاری ہے
پھر وہی بیقراریٔ تسکیں
وہی تسکینِ بیقراری ہے
پھر جفا وہاں وفا ہوئی پھر یہاں
نا امیدی امیدواری ہے
جس کے جور و ستم بھی یاد نہ تھے
پھر ہمیں اسکی یادگاری ہے
پھر ہمیں کام کچھ نہیں تم سے
پھر وہی وضع گر تمھاری ہے

شیفتہ پھر ہے ننگ عزت سے
پھر وہی ہم ہیں اور خواری ہے

وہاں پہنچنے کی منت دمِ صبا پر ہے
کہ شوق سے مرے خط کے لیے ہوا پر ہے
عدو کو آگے مرے مسکرا کے ذبح نہ کر
کہ میری مرگ بھی موقوف اسی ادا پر ہے

مرض ہو جس کے سبب سے غضب ہے وہ یہ کہے
جیئے جیئے نہ جیئے زور کیا قضا پر ہے

رقیب کہتے ہیں اس جور پر نباہتے ہو
قیامت آئی کہ تشنیع اب وفا پر ہے

خفا ہوے ہیں عدو اپنی ہی بری خو سے
تجھے گمان بد ای بدگماں حیا پر ہے

خیال تھے اثر جذب دل سے کیا کیا آج
ہزار خون ہوس گردن حنا پر ہے

رقیب سے ہی جفای حبیب کا شکوہ
تو آپ شیفتہ اے شیفتہ جفا پر ہے

فصل گل ہے میکدہ کا ساز و ساماں چاہیے
تو یہ زولیدہ زیب طاق نسیاں چاہیے

محو لیلی ہے یہ مجنوں چارہ سازوں سے کہو
اس کے رہنے کے لیے یوسف کا زنداں چاہیے

کشمکش اس جیب سے دست جنوں بیفائدہ
غیر کا زور آزمائی کو گریباں چاہیے

نرگستاں چاہیے نی چاہیے سنبل کدہ
چشم فتاں چاہیے زلف پریشاں چاہیے

جاے سبزہ سبزۂ خط قد موزوں جاے سرو
یہ گلستاں ہو تو ہاں سیر گلستاں چاہیے

شاہد ان دلربا اتنی نہیں دشوار جو
صرف انکو مال و جان ناموس و ایماں چاہیے

ہر غزل اپنی بیاض چشم آہو پر لکھو
جیسے دیوانے ہیں ہم ایسا ہی دیواں چاہیے

نغمہ ہائے گلفشاں کو سمجھیں کیا زاغ و زغن
داد دینے کو مرے مرغ خوش الحاں چاہیے

گرد کلفت خاک صحرا دشنۂ غم نوک خار
تیرے وحشی کے لیے ایسا بیاباں چاہیے

جان دی ہی ہم نے درد ہجر گلعذار میں
نعش کے ہمراہ بلبل مرثیہ خواں چاہیے

اکثر ایسے وقت کم آتے ہیں ارباب خلل
مے کشی کا شغل وقت ابر و باراں چاہیے

جس روش میں کی خواہش خواہ نیک و خواہ بد
اسمیں جد و جہد تا سر حد امکاں چاہیے

گر سلوک راہ حق پیشہ ہی اے روحی فداک
جذب بے اندازہ و سعی فراواں چاہیے

پایۂ کم پر شریفوں سے قناعت ننگ ہی
بایزیدی زہد ہو شبلی کا عرفاں چاہیے

جسم سے ہو معنی روح مجرد آشکار
لفظ سے ہو صورت معنی نمایاں چاہیے

اور اگر شیوہ معاذ اللہ رندی کا ہوا
کام ناقص ہی مگر کب اسمیں نقصاں چاہیے

نغمۂ نے کا گذر ہو پردہ گاہ زہرہ تک
موجۂ مے کا اثر تا بام کیواں چاہیے

آبرو رونے سے ہی پہ فخر یکتائی نہیں
شیفتہ مژگاں تر خونابہ افشاں چاہیے

کیونکر مجھے خط رقم کریں گے
کیا غیر کا سر قلم کریں گے

ہم پیشہ ہی اضطراب و شوخی
کس واسطے مجھ سے رم کریں گے

اتنی بھی بری ہے بیقراری
اب آپ سے انس کم کریں گے

جوش وحشت میں اسے پری رو
بس تیرا ہی نام دم کریں گے

نوبت ہی تو سب امور میں ہو
اب غیر پہ وہ ستم کریں گے

مرنے کا میرے نہ ذکر کرنا
آرام کی فکر اب ہوئی ہے

قاصد وہ بہت الم کریں گے
تم سے نہ ہوا جو ہم کریں گے

دلّی میں تو شیفتہ ہی استاد
ہم قصد سوے عجم کریں گے

دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے
جوکہ ہوا محو تجلّیِ ذات
واہ ترا جلوۂ حیرت ادا
وجہ توقف اجلِ جاں فزا
چھوڑدے وہ تو بھی میں کیونکر چھٹوں
کھیل ہی کچھ یہ کہ دکھادوں تمھیں
غیر پہ پڑتی ہیں خدنگِ نگاہ
خط کے نہ لکھنے کا لکھوں کیا گلہ
کیا لکھوں احباب کی آہن دلی
غیر بھی کیوں تم سے نباہیں گے گر
نغمہ سرا کون سا یاد آگیا

کیا اثر نالۂ شبگیر ہے
خاکِ درِ اس شخص کی اکسیر ہے
آئینہ عشاق کی تصویر ہے
قتل میں اغیار کے تاخیر ہے
کشمکشِ زلف گرہ گیر ہے
فرض کیا آہ میں تاثیر ہے
سینہ میں میرے خلشِ تیر ہے
خامہ و کرمِ تحریر ہے
پاؤں میں فولاد کی زنجیر ہے
جرم وفا قابلِ تعزیر ہے
نالہ میں آواز بم و زیر ہے

ہم سے وہ ناحق جو خفا ہو گئے
شیفتہ کچھ اپنی ہی تقصیر ہے

کہا کہ تنگ ہوں اتنی بھی بدگمانی سے
کہا جو ڈر ہی مجھے ایسی مہربانی سے

یہی ہی شکر کہ دلکی نظر تو روشن ہی
نظر تو خیرہ ہوئی برق لن ترانی سے

ہزار باتیں بناؤ ملے ہو غیر سے تم
نشان ہمکو ملا گم ہوئی نشانی سے

محبت اس خفگی سے عیاں ہی اے گلرو
کہ رنگ لطف ٹپکتا ہی بدگمانی سے

میں سادگی سے بیاں کر رہا ہوں وصف دہن
وہ ہونٹ کاٹتے ہیں اپنی نکتہ دانی سے

سوائے پیر مغاں اور ظرف کس کا ہی
کہ بہرہ ور ہو گدا جام دوستگانی سے

تمنا طلب ہی عجب کام دل بیتاب
کہ دل گرفتہ ہی دلدار دلستانی سے

کسی کی نرگس مےگوں نے کھو دیئے ہیں ہوش
یہ بیخودی نہیں صہبائے ارغوانی سے

بھڑک گئی نم شبنم سے اور آتش گل
یہ کیسی آگ ہی دونی ہوئی جو پانی سے

یہ ہی نصیحت پیراں کار افتادہ
کہ بد بلا ہی جوانی ڈرو جوانی سے

وہاں تو شیفتہ مطلوب ہی خوش افغانی
نہ نکتہ دانی سے کچھ ہو نہ خوش بیانی سے

شب ہم نے لیے خواب میں زنجیر کے بوسے
دیں گے وہ مگر زلف گرہگیر کے بوسے

اللہ رے کافر کی نزاکت کہ اُڑا رنگ
ہم نے جو لیے رات کو تصویر کے بوسے

اس جرم سے قاتل نے لہو اُس کو چٹایا
بسمل نے لیے تھے لبِ شمشیر کے بوسے

منہ عرش مری جانب وہ چلے آتے ہیں گویا
نالہ نے لیے شب رخِ تاثیر کے بوسے

وہ چومتے ہیں ہاتھ اُدھر اور اِدھر میں
سوفار کی لیتا ہوں جگر چیر کے بوسے

دل نیشترِ رشک سے ہوتا ہی مشبّک
زنبور نہ لے اُس ہدفِ تیر کے بوسے

نامہ کو مرے یار نے آنکھوں سے لگایا
ملجائے تو لوں نامۂ تقدیر کے بوسے

کرتا ہوں جو تعریف میں اُس تنگ دہن کی
لیتے ہیں مرے لب مری تقریر کے بوسے

یوں خاک نہ کرتا اگر اُس لب کے نہ لیتے
ہم **شیفتہ** آگے فلکِ پیر کے بوسے

دشمن ہمارا کون نہیں تیرے واسطے
دیتے ہیں نہ ہر چارہ گزیں تیرے واسطے

انصاف کر کہ چرخ کو کیا مجھ سے کام تھا
ساری اذیتیں مجھے دیں تیرے واسطے

افغان دلخراش سے تو ہی جو بیقرار
اپنی سی آپ ہمکو ہی کیں تیرے واسطے

تو کیا ہم آپ کہتے ہیں ہم نے برا کیا
سب کی برائیاں جو سہیں تیرے واسطے

جب لب کے غیر بوسے لیں اُس لب سے **شیفتہ**
کمبخت گالیاں بھی نہیں تیرے واسطے

عشق ذلت ہی تو ذلت ہی سہی
میری ذلت تیری عزت ہی سہی

میرے آزار کی تہمت ہی سہی
تمکو الفت ہی تو الفت ہی سہی

نہ لکھو نامہ نہ بھیجو پیغام
عشق کی آپسے نسبت ہی سہی

ہمکو بھی شوق ہے نظارے کا
دیکھنے کی تری عادت ہی سہی

خاک ہونے پہ مرے دھیان تو ہو
نہ سہی لطف کدورت ہی سہی

دیکھنا غیر کا موقوف تو ہے
قتل کی میرے ندامت ہی سہی

ہم نے بھی طرزِ صبا سیکھی ہے
تیری لگ چلنے کی خصلت ہی سہی

سب فسانے کا نہیں ہی جو دماغ
ایک چھوٹی سی حکایت ہی سہی

ناشکیبی کی دعا مانگیں گے
صبر کی ہمکو ضرورت ہی سہی

ہجر تو جائے جو ہو جاے وصال
وصل ممکن نہیں فرقت ہی سہی

ازدحام غم و رشک و حرماں
پھر بھی فرصت ہی تو فرصت ہی سہی

بخت ناساز کا ہوں شکوہ سرا
اُنکے پردے میں شکایت ہی سہی

کیجے اغیار سے ملنا موقوف
مجھکو الفت نہیں غیرت ہی سہی

وصل اغیار سے ملنے وجہ نہیں
میرے مرجانے کی عبرت ہی سہی

دعویٰ الفت و بیتابی حیف
گر اذیت ہی اذیت ہی سہی

میری خاطر سے چلو شیفتہ واں
غیر اُن سے تمھیں نفرت ہی سہی

مجھ تازہ گرفتار نے فریاد زبس کی
جاں اُڑ گئی بس کہنہ اسیرانِ قفس کی

پھر شکل نظر آئی مجھے دام و قفس کی
پھر دل لے مرے طرّۂ خوش خم کی ہوس کی

ہی رحم تو اُس بیخود و بیتاب پہ لیلے
جو اپنے ہی نالہ کو کہے بانگ جرس کی

نیرنگ ہی کیا سبزۂ خط شمع رخوں کی
یعنی ہی منافات بہم شعلہ و خس کی

غیروں سے اُسے بات نہ کرنے دوں میں لیکن
یہ بات نہیں اے مرے ہمدم مرے بس کی

خود چاک کروں جامۂ اعدا کہ نہیں چاک
جی میں ہی کہ لوں دھجّیاں اربابِ ہوس کی

اے شیفتہ اس فن میں ہوں اک پیرِ طریقت
گو عمر ہی میری ابھی اکیس ۲۱ برس کی

دستِ عدو سے شب جو وہ ساغر لیا کیے
کن حسرتوں سے خون ہم اپنا پیا کیے

شکرِ ستم نے اور بھی مایوس کر دیا
اس بات کا وہ غیر سے شکوہ کیا کیے

کب دل کے چاک کرنے کی فرصت ہمیں ملی
ناصح ہمیشہ چاک گریباں سیا کیے

تشبیہ دیتے ہیں لبِ جاں بخش یار سے
ہم مرتے مرتے نام مسیحا لیا کیے

ذکرِ وصالِ غیر و شبِ ماہ و بادہ سے
ایسے لیے گئے ہمیں طعنے دیا کیے

تھی لحظہ لحظہ ہجر میں اک مرگ نو نصیب ہر دم خیالِ لب سے ترے ہم جیا کئے

طرزِ سخن کے وہ مسلّم ہی شیفتہ
دعوے زبان سے نہ کئے ہیں نہ پا کئے

اُس کا دل گرمیِ جلنے سے پگھل جاتا ہی بل ابھی شمع کے رشتہ کا نکل جاتا ہی

رشک سے رنگ میں تغیر جو پائی تو کہا تجھ سے ڈرتا ہوں کہ تو دم میں بدل جاتا ہی

بھیجکے کسکو بلاؤں شب غم میں کہ کوئی لاکھ خاطر ہو پہ کب سوے اجل جاتا ہی

صدقے اس خوش حرکاتی کے سحر چھپنے کو شب کو سوتے میں مجھے عطر وہ مل جاتا ہی

میں تو وہ گرم رہ و آہ طلب ہوں کہ اگر وہاں بلائے تو لب بام ابھی پھسل جاتا ہی

ہجر میں وصل اجل کا کوئی جاتا ہی خیال چارہ گر جان ہی ایسکہ یہ خلل جاتا ہی

ہنستے ہنستے جو رکاوٹ تری یاد آتی ہی اشک گرتے ہوے آنکھوں سے سنبھل جاتا ہی

شیفتہ بسکہ ہوں میں سرو قدوں کا کشتہ
نخل جو گور پہ اُگتا ہی سو جل جاتا ہی

گلے پہ میرے ز دشمن کی وہ شمشیر پھرتی ہی نہ یہاں تدبیر چلتی ہی نہ وہاں تقدیر پھرتی ہی

تری جو کر وہ ہجراں نے تجھکو دیکھکر جانا کہ میری آنکھ کے آگے تری تصویر پھرتی ہی

نہ کرنا غیر کے گھر کا ارادہ تم کہ مدت سے تجسس میں فغانِ شوق کی تاثیر پھرتی ہی

نہیں نخچیر تیرے صید گہ میں اے شکار افگن
مشکل آرزوئے خاطر نخچیر پھرتی ہے

ترے گھر سے میرے گھر کا ہے انکو قصد اے دشمن
تری تقدیر پھرتی ہے مری تقدیر پھرتی ہے

گھٹا چھائی ہے لالہ کھل رہا ہے صبح ہوتی ہے
عنان عزم کیوں گلشن سے بے تاخیر پھرتی ہے

نگاہ دلربائی یار طبع بوالہوس دیکھی
کہ آپ ہی آپ بے تقریب بے تقصیر پھرتی ہے

نرالی سب سے ہے اپنی روش اے شیفتہ لیکن
کبھی دل میں ہوائی شیوہ ہائے میر پھرتی ہے

ادھر مائل کہاں وہ مہ جبیں ہے
فلک کو مجھ سے کیوں پرخاش و کیں ہے

نہ دیکھا اپنے بسمل کا تماشا
قریب آکر وہ کتنا دور بیں ہے

یہ اچھا ہے تو اچھا غیر کو بھی
ستاؤ اور پوچھو کیوں غمیں ہے

ہمیں صورت دکھائے کیا تمنا
کہ عاشق جس کے ہیں پردہ نشیں ہے

یہ تجھ سے شکوہ ہے اللہ رے شوخی
کہ میرے غم سے تو اندوہ گیں ہے

یہ کیسا تفرقہ ہجراں نے ڈالا
کہیں کیا ہم کہیں ہیں دل کہیں ہے

نہ پوچھو شیفتہ کا حال صاحب
یہ حالت ہے کہ اپنے میں نہیں ہے

لطف اوروں پہ ہے ہمکو ستم بھی بس ہے
نہ سہی وہ بھی ہمیشہ کوئی دم بھی بس ہے

بزم دنیا میں ہی دو شخص کو کب عیش نصیب
سو تجھی کو ہی مجھکو تو یہ غم بھی بس ہی

دسترس بوسۂ پا کی جو نہیں ہی نہ سہی
اپنے سجدے کے لیے نقشِ قدم بھی بس ہی

سجدۂ دوست ہوا عشق کا حصہ یعنی
اور لوگوں کے لیے دیر و حرم بھی بس ہی

غیر پہ چاہیے ای چرخ نہ تجھے کرنا جور
مجھ سے ناکام کو تو بخت دژم بھی بس ہی

دولتِ وصل سے کیا کام ہوسناکوں کو
نازِ خسرو کے لیے خیل و حشم بھی بس ہی

کی تمنائے کرم میں نے تو فرماتے ہیں
شیفتہ تیرے لیے جور و ستم بھی بس ہی

سجدے کے کسی در پہ تمنا نہیں رکھتے
گردن پہ سرِ ناصیہ فرسا نہیں رکھتے

اس کوچے میں ای نکہتِ گل جلوہ عبث ہی
ہم کچھ ہوسِ سیرِ تماشا نہیں رکھتے

ہر چند کہ ہی آپ سے ملنے کی تمنا
پر آپ سے ملنے کی تمنا نہیں رکھتے

دشوار نہیں رفعِ حجاب آپ سے لیکن
مطبوع ہم اندازِ زلیخا نہیں رکھتے

یوں چارہ گری غیر کی ہوتی ہی کہ گویا
ہم جانِ حزیں و دلِ شیدا نہیں رکھتے

مطلب ہے معشوق سے ناصح کو نہیں اور
ہم دیدۂ بینا دلِ دانا نہیں رکھتے

کس لطف سے وہ لطف سے فارغ ہیں کہ عشاق
تابِ نگہِ حوصلہ فرسا نہیں رکھتے

دشمن سے ملاقات کی ٹھہری ہی کہ بے وجہ
وہ سر پہ پرندِ گھر آما نہیں رکھتے

اے شیفتہ ہم جب سے کہ آئے ہیں حرم سے
شوقِ صنم و خواہشِ صہبا نہیں رکھتے

خندہ زن ہیں دوست میرے دیدۂ پُر آب سے
بخت دشمن کو جگائیں میرے نالے خواب سے

وصل کی شب میں نئی باتوں سے ہم واقف ہوے
شعلہ خس ہی نہایت دیر پا مہتاب سے

میں لہو روتا ہوں ناصح اُن کا دامن دیکھکر
اُن کا دامن بھر گیا ہی میرے ہی خوناب سے

میں وہ میکش ہوں اگر بیخود بھی ہو جاؤں کبھی
ہوش آتا ہی مجھے بوئے شرابِ ناب سے

گرم خو دیکھا تو کر دیتی ہیں سب کو بیقرار
دلکو راحت ہوگئی بیتابیٔ سیماب سے

جسکو سمجھا آشنا نکلا غرض کا آشنا
دل ہی افسردہ نہایت گرمیٔ احباب سے

ضد تو دیکھو تشنہ کامِ شوق مجھکو جانکر
قتل کرتا ہی ستمگر خنجرِ بے آب سے

فرشِ مخمل پر تڑپتے وہ ہیں بیخواب دشمن خواب میں
رہ گئے میرے کھڑے ہوتے ہیں نام خواب سے

کسکی زلفِ خم بخم بپھرے لگی تاب و قرار
شیفتہ پھر کچھ نظر آتی ہو تم بیتاب سے

رقیب بو الہوس کا منہ ہی لطفِ جور کو دیکھے
وہ اپنی وضع کو دیکھے ہمارے طور کو دیکھے

پریوش بھی ہیں شیدائی کے شیدا ناصحو دیکھو
بھلا کب دیکھ سکتے ہیں کہ عاشق اور کو دیکھے

نظر سے فتنہ کی گردش سے گردوں کی بچا وہ ہی
جو چشمِ مست کو ساقی کی ہر کے دور کو دیکھے

صفائی غیر سے کیجے مکدر ہیں نہیں تم سے	کوئی کیا خاک خوش ہو جب کسی بدطور کو دیکھے

ستم سے شیفتہ اب سطح مایوس کرتے ہیں
وہ اپنی تاب کو دیکھے، ہمارے جور کو دیکھے

پھر نصیحت کی کسکو تاب رہے	جو یہی دلکو اضطراب رہے
جب خطائے نکردہ ثابت ہو	عقل کیا بر سرِ صواب رہے
بوئے گل کام کر چکی اپنا	دخترِ رز تہِ نقاب رہے
ملگیا دوست منتخب پھر کیوں	شعر کا شوق انتخاب رہے
واہ رندی و میکشی کہ یہاں	عمر بھر عالمِ شباب رہے
جب پڑھی لذتِ ہم آغوشی	پھر بغل میں کہاں کتاب رہے
تا نہ غافل ہو انجمن ساقی	دور میں ساغرِ حباب رہے
بزمِ دشمن کا عزم تھا موقوف	تھوڑی دیر اور گر سحاب رہے
ہے بڑھاپے میں خوف بدمستی	کہ جوانی میں کم خراب رہے

شیفتہ کوئی حال وارد ہو
پر معارف سے اجتناب رہے

منہ بنائے ہوئے اس کو سے گذر کرتا ہی	ابتو لو غیر بھی دلمیں مرے گھر کرتا ہی

ذبح اُس کو بھی موذن ہی مگر کرتا ہے
کیوں شبِ وصل میں غل مرغِ سحر کرتا ہے

یاد میں اُس دُرِ دنداں کی موا جاتا ہوں
کارِ الماس مرے حق میں گہر کرتا ہے

اُسکے ناوک کی توجہ پہ مری جان نثار
ہاتھ سے چھوٹتی ہے فصد جگر کرتا ہے

گر نہیں یہ کہ بہتا ہے وہ ظاہرداری
کیوں نگاہ غلط انداز اِدھر کرتا ہے

دلِ مضطر کی رہائی میں نظر رکھتا ہے
جو ترے طرۂ خوش خم پہ نظر کرتا ہے

دیکھئے آہ ہماری بھی اثر کرتی ہے
سخنِ درد سُنا ہے کہ اثر کرتا ہے

ایک دن شام ہماری بھی سحر کر دیگا
وہی جو شام کو ہر روز سحر کرتا ہے

دل کے ٹکڑے ہوئے جاتے ہیں مگر مرغِ چمن
آج کچھ نالہ بالحانِ دگر کرتا ہے

آج پھر ماتمِ یوسف ہے ہر اک کوچہ میں
کارواں مصر کو کنعاں سے سفر کرتا ہے

بدگماں آپ غلط محرمِ اسرار کسے ہیں
دل ہمیں رازِ نہانی کی خبر کرتا ہے

جان کھوئی ہے جسے مدنظر مثلِ حباب
وہی مشتاق فنا چشم کو تر کرتا ہے

شیفتہ جسکو نہیں عشق وہ اپنے نزدیک
کیا بُری طرح سے دنیا میں بسر کرتا ہے

عشق کی میرے جو شہرت ہو گئی
یار سے مجھکو ندامت ہو گئی

خاک عرضِ مدعا اُس سے کروں
جسکو باتوں میں کدورت ہو گئی

یہاں سے جانے کو ہیں وہ آج کہیں
کیا بلا لے ابرِ رحمت ہو گئی

اب ستم اغیار پہ کرنے لگے
میرے مرجانے سے عبرت ہو گئی

جلوہ معنے نظر آنے لگا
پیتے پیتے مے یہ صورت ہو گئی

انکی باتیں اس نے بھی چھپکر سنیں
آج ناصح کو نصیحت ہو گئی

منع وصلِ غیر پر ہنسکر کہا
بارے اب تمکو بھی غیرت ہو گئی

بوئے گل اس گل کی بو کے روبرو
فی الحقیقت نے حقیقت ہو گئی

بس نہ فرماتے پھرو یہ شیفتہ
گو انہیں تم سے محبت ہو گئی

وہ جو اٹھے جان رخصت ہو گئی
شیفتہ یہ کیا قیامت ہو گئی

بوئے یار اس بزم میں آئی مجھے
جب نہ مجھے ساقی سے الفت ہو گئی

جلوہ بیڈھب مانعِ نظارہ ہے
وصل میں تاثیر فرقت ہو گئی

نغمہ و مے سے مجھے کیا کام تھا
ان کی صحبت میں یہ آفت ہو گئی

بے سخن نسبت ہے اللہ ہی اسے
قوم سے جسکو کہ نسبت ہو گئی

اب رقیب بوالہوس ہیں عشق باز
دل لگانے سے بھی نفرت ہو گئی

سچ کہوں گا گو ہیں دونوں آشنا
ق
بیشک ان سے سہو و غفلت ہو گئی

عشق سے کیا کیا خرابی پڑ گئی — عقل سے کیا کیا حماقت ہو گئی

شیفتہ ایک رند مشرب شخص ہے
کس سے لوگوں کو عقیدت ہو گئی

ملنے کا میرے اور نہ تیرے چرچا نکریں گے — گر دوست ہیں اغیار تو رسوا نکریں گے

نہ لے عذر وہ کر لیتے ہیں وعدہ یہ سمجھکر — یہ اہل مروت ہیں تقاضا نکریں گے

کب اہل خرابات کوئی راز کہیں گے — جبتک کہ نہ ہم سے ہمیں بیگانہ کریں گے

پہنچا ہوں میں مرنے کے قریب آتے ہیں دیکھو — وہ دور ہیں اب پاس عدو کا نہ کریں گے

جاتے ہو اگر غیر کے گھر ضد سے ہماری — ہم آپ کے آنے کی تمنا نہ کریں گے

مسجد میں بھی آتا ہے خیالِ خم ابرو — ہم راست بیانی میں محابا نہ کریں گے

وہ مجھ سے نہ بولیں کبھی یہ بات نہ ہو گی — وہ غیر سے باتیں کریں ایسا نہ کریں گے

اے حور لقا کیوں نہ تمنائے جناں ہو — کیا وہاں تم سے ملنے کا ارادہ نہ کریں گے

ہم آپ بے غش ہیں تو غش آیا یہ سخن کیا — تم آپ سے جاتے ہو ہم آیا نہ کریں گے

ہرگز بھی نہیں خاطرِ جاناں میں ٹھکانا
اے شیفتہ ہم دعوئے بیجا نہ کریں گے

کیوں نہ مجھکو مرضِ یاس کی شدت ہو جائے — ملک الموت بھی جب بہرِ عیادت ہو جائے

گریۂ غیر سے وہ بہر عیادت ہو جائے
اشک شادی ہی یہ کاش اشک ندامت ہو جائے

اپنے ہی عشق کی نسبت سے ہوا شادیٔ مرگ
کیا کروں اُسکو بھی گر مجھ سے محبت ہو جائے

اور گر کچھ نہو دامانِ اجل تو کھینچوں
کاش اتنی ہی مجھے ہجر میں طاقت ہو جائے

نیم جاں وہ ہوں وہاں قتل کا آئے جو خیال
تو یہاں اُس سے کہیں پہلے فراغت ہو جائے

سانس بھی کل تو نہ تھی آج نکلتی ہے آہ
مجھکو ڈر ہے کہیں پھر مجھکو نہ مہلت ہو جائے

ناصحو منع کرو جب تو یقیں میں مانوں
تمکو بھی گر کسی بیدرد سے الفت ہو جائے

پاکے مشرف مجھے مرنے پہ پڑے وعدے ہیں
ہے بڑا لطف اگر اب مجھے صحت ہو جائے

شیفتہ ایسی اُڑا اہلِ کدورت کی خاک
دیکھکے شیشۂ ساعت کو بھی عبرت ہو جائے

ہے ستم واقف ہو میرے حال کی تغییر سے
بوالہوس کہتے ہو پھر اک آہ نئے تاثیر سے

عشق میں اک صید افگن کی ہے یہ جوش جنوں
فصد میری کھولنا جرّاح نوکِ تیر سے

چاہیے اغیار کو بھی اپنے مُنہ پر کچھ ملیں
چاہ ثابت ہوتی ہے واں رنگ کی تغییر سے

مر رہا ہوں درد فرقت میں نہیں دیتا کوئی
سچ اگر پوچھو تو سم بھی کم نہیں اکسیر سے

ہاتھ میں دیکھا جو تیرے قبض جاں ہونے لگی
دستِ دشمن کم نہیں کچھ قبضۂ شمشیر سے

عشق کا سودا نہیں جاتا ہے بعد از مرگ بھی
دیکھ لو وحشت ہے ظاہر قیس کی تصویر سے

کیا غضب ہیں وہ بھی پڑھوایا عدو سے خط میرا
وصل ہیں رونے تو شاید کچھ اثر ہوتا اُسے

تھی جو آگاہی شکایت اُنھیں تحریر سے
کیا شب غم میں حصول اس آہ بے تاثیر سے

ننگ ہمائی دشمن بھی کیا ہم نے قبول
شیفتہ لیکن نہ آئے وہ کسی تدبیر سے

کیا ذکر اُس کے آگے مری آہ کا چلے
جس گل کی شمع بزم سے بچکر صبا چلے

یوں بعد ذبح چھوڑ تڑپتا ہوا چلے
قربان ایسے آنے کے کیا آئے کیا چلے

ناصح تری زبان ترے بس میں جب نہو
انصاف کر کہ دل پہ مرا زور کیا چلے

محروم ہوں رقیب بھی جلوے سے یار کے
بجھ جائے شمع بزم میں ایسی ہوا چلے

اللہ کیا غرور ہے تمکو کہ بزم سے
ہم کتنے جلد اُٹھے پہ اِتنا کہا چلے

یہ شوق وصل ہے کہ اگر پاؤں ٹوٹ جائیں
اُنکی گلی کی سمت مرا نقش پا چلے

مانا کہ جلد آؤ گے پر اس کا کیا علاج
پہلو سے اُٹھتے ہی جو مرا جی بٹھا چلے

کیوں روکتا ہے اسمیں ضرر کیا ہے ساربان
دیوانہ ایک گر پس محمل لگا چلے

افسوس اُس نے کچھ نہ کہا سُن کے حال دل
ہم قصہ خواں کی طرح فسانہ سُنا چلے

دیکھا جو نزع میں مجھے کچھ رحم آ گیا
گو زہر دینے آئے تھے شربت پلا چلے

وعدہ عدو کا آپ کی تکرار سے کھلا
ہم نے یونہیں کہا تھا کہ کیا آئے کیا چلے

یہ غم اگر نہیں کہ نہ آیا وہ بیوفا
رونے مرے جنازہ پہ کیوں اقربا چلے

وہ گل کہیں جو جائے تو کیونکر ملے سراغ
مانند گرد جس کی جلو میں صبا چلے

گرمی کے حد سے انھیں جانیکا قصد ہی
ای آہ سرد رحم کہ ٹھنڈی ہوا چلے

کیسا ہی غم رسیدہ ہو یہاں آکے شاد ہو
اک ہم تمھارے پاس خوش آئے خفا چلے

ہی کب سے مرگ و حسرت دیدار میں نزاع
وہ آکے ایک لمحہ میں جھگڑا مٹا چلے

جلدی ہی کیا ٹھکانا بھی پیدا کریں کہیں
آخر تری گلی سے تو اے بیوفا چلے

کیا پیش آئے دیکھئے وہاں جاکے دوستو
کہدو کہ پیچھے پیچھے مرے رہنما چلے

ای جان لب پہ آکے ٹھہرنے سے فائدہ
رہنا ہوا تو رہ گئے چلتا ہوا چلے

کس کس سے آہ میں بگڑی کچھ یہ بھی دھیان تھا
باتیں تو آپ شیفتہ اُن سے بنا چلے

ظالم کبھی تو داد دل و چشم تر ملے
سینہ سے سینہ اور نظر سے نظر ملے

نے صرف ہی مشقت تحریر و صرف زر
رستہ ہی میں ہمیشہ ہمیں نامہ بر ملے

ہی دشمنوں سے انکو ملاقات ابر و کشت
ملتے ہیں ہم سے جیسے کہ خس سے شرر ملے

کیا پوچھتے ہو لطف کروں تجھپہ کسقدر
اذن غرور و ناز تمھیں جسقدر ملے

ہم خوب جانتے ہیں تمھارے بگاڑ کو
غیروں سے لڑکے ہم سے بھی تم بیشتر چلے

نیرنگ عشق دیکھ کہ منظور ہی اونھیں	گلگونہ میں چکیدہ مژگان تر سے ملے
محفل طرازیوں کے مزے سب گنواؤنگا	وہ اتفاق سے کہیں تنہا اگر ملے
اب ہی اُنھیں تلاش ہماری تو فائدہ	وہ وقت بھی گیا کہ ہمارا اثر ملے
کھائے تلاش کوچہ جاناں ہیں سو فریب	سبزہ جہاں ملا ہیں یہ سمجھا خضر ملے
ظالم تبسم نمکیں میں نہ کر دریغ	آخر ذرا تو لذت زخم جگر ملے

وہ شیفتہ کہ دھوم ہی حضرت کے زہد کی
میں کیا کہوں کہ رات مجھے کسکے گھر ملے

ابر دریوزہ گر اب ہی اکثر ہمسے	برق بھی مانگ کے لیجاتی ہی اخگر ہمسے
صلح کل اپنی تو دانست میں بہتی ہی	وہ ہوئے صاف تو ہی غیر مکدر ہمسے
ناصحو ساری نصیحت حسد و رشک سے ہی	ترک ہوتا ہی کوئی عیش مقدر ہمسے
گردن غیر پہ چلتے نہیں دیکھا ہرگز	پیار رکھتے ہیں مگر دشنہ و خنجر ہمسے

شیفتہ سادہ بیانی نے ہمیں چمکایا
ورنہ صنعت میں بہت لوگ ہیں بہتر ہمسے

دل لیا جس نے بیوفائی کی	رسم ہی کیا یہ دلربائی کی
تذکرہ صلح کا کرو نہ کرو	بات اچھی نہیں لڑائی کی

تمکو اندیشۂ گرفتاری / یہاں توقع نہیں رہائی کی
وصل میں کس طرح ہوں شادیٔ مرگ / مجھکو طاقت نہیں جدائی کی
دل نہ دینے کا ہمکو دعوی ہے / کسکو ہے لاف دلربائی کی
ایک دن تیرے گھر میں آنا ہے / بخت وطالع نے گر رسائی کی
دل لگایا تو ناصحوں کو کیا / بات جو اپنے جی میں آئی کی
ف شیفتہ وہ کہ جس نے ساری عمر / دینداری و پارسائی کی
آخر کار مے پرست ہوا / شان ہے اُس کی کبریائی کی

اپنی شوخی کی بھی خبر کچھ ہے / زلزلہ آسمان پر کچھ ہے
زاریٔ شب کے زور تو دیکھے / تجھ میں بھی دم دمِ سحر کچھ ہے
رازِ پوشیدہ پوچھئے کس سے / نے خبر ہے جسے خبر کچھ ہے
نالہ سنتے نہیں تو بات سنو / خوب باتوں میں بھی اثر کچھ ہے
عشق کے اب کہاں وہ ہنگامے / دردِ دل سوزشِ جگر کچھ ہے
حُسن کیا عرضِ جلوہ کرتا ہے / شہر میں شورِ الحذر کچھ ہے
اُس کے نیرنگ سے ٹپکتا ہے / کہ عدم سے بھی بیشتر کچھ ہے
کھوٹی باتیں ہیں اور پہلو دار / ہاں ترے دل میں سیمبر کچھ ہے

عشق میں ساری خوبیاں ہیں جمع ۔ اک مگر جان کا ضرر کچھ ہے
رم بہت اُنس کم ہی طینت میں ۔ وہ بہت ہی پری بشر کچھ ہے
دوست یوں ان لکا د پڑھتے ہیں ۔ کہ میری سمت اُسے نظر کچھ ہے
برق ہی روزگار خندۂ گل ۔ نازبیہ فرصت اسقدر کچھ ہے

شیفتہ بھی ہی مجمع اضداد
کچھ ہنرمند بے ہنر کچھ ہے

نازکی کیا ہوئی کیوں عشق نہیں کیا صورت ہی ۔ آئینہ دیکھنے سے اُنکے مجھے حیرت ہی
غیر تو طعنہ نہ دے گو کہ مجھے فرقت ہی ۔ کوہکن کیا کہیں خسرو سے بھی بے غیرت ہی
عشق سے اور بڑھی ہائے قساوت دل میں ۔ غیر کو رنج ہوا ہی تو ہمیں راحت ہی
کچھ نئی بات نہیں وعدہ تسلی کیا ہو ۔ وہی حرماں ہی وہی یاس وہی حسرت ہی
مجھ سے آزردہ ہو کیوں میں بھی تو کہتا ہوں یہی ۔ تم ملو غیر سے ممکن ہی یہ سب تہمت ہی
گر عیادت کو عدو کو بھی لیے آئیں تو خوب ۔ کہ مرا رشک سے مرنا سبب عبرت ہی
غیر کو یاد رہے تیری محبت ہی نہیں ۔ اور اگر ہی تو تری تجھسی کہیں نفرت ہی
ای عدو کس لیے نازاں ہی سمجھ تو آخر ۔ جس سے ہم خوار ہوئے ہائے وہی عزت ہی

چشم سے اشک رواں لب پہ ہی آہ سوزاں

شیفتہ کس کے لیے آپکی یہ حالت ہی

آؤ مل جاؤ لڑائی ہو چکی
ایک دم صبر آزمائی ہو چکی

ایک حالت پر نہیں رہتا کوئی
اب وفا ہو بیوفائی ہو چکی

ہم سبک ہوتے ہیں اپنے ہاتھ سے
جو ہیں وہ بگڑے لڑائی ہو چکی

ضعف سے ہی آپ ہیں آنا محال
اس کے کوچہ تک رسائی ہو چکی

انکی جب صورت سے ہو بلجائیے
عیب کہتے ہیں صفائی ہو چکی

شیفتہ یہاں عشق یہ وہاں حسن وہ
دونوں عاجز پارسائی ہو چکی

زہر سے الماس سے تلوار سے
مجھکو الفت ہی انھیں دو چار سے

لیچلیں تھوڑا نمک بھی دشت میں
آبلے پھوٹیں گے آخر خار سے

نعش اُٹھانے کا ہی اب ساماں کریں
چارہ گر بیٹھے ہیں کیوں ناچار سے

ذکرِ وصل غیر کر بیٹھے مباد
کیا ملیں ہم محرمِ اسرار سے

پھر تو قابو میں اجل کے آ چکے
بچ گئے ہم گر غمِ دلدار سے

کاٹ کر سر خط کی جا بھیجا اُسے
کام خامہ کا لیا تلوار سے

جب ہمارا اشک سے جی بھر گیا
بزم خالی ہو گئی اغیار سے

جو گلہ سمجھے تھے نکلا شکر ہائے
کی شکایت ہم نے کس عیار سے

وہ وہ ہم تو دیکھکر مرجائیں اور
زندہ ہوں مُردے تری رفتار سے

وہم آسایش سے وحشت ہوگئی
اُس پری کے سایۂ دیوار سے

پھر بلا سے کوئی بیٹھے شیفتہ
اُٹھ گئے جب آپ کوئے یار سے

لطف ظاہر ہے مرے آزار سے
آشتی ہے مدعا پیکار سے

فیضیاب نور دائیں بند حسن
مہر اُس کی پرتو رخسار سے

ساقیا بنت العنب وہ لاکھ ہو
دلربا زن شاہد بازار سے

غیر کو سیدھا بنایا یار نے
ہے تعجب چرخ کج رفتار سے

جی اُٹھے فرہاد اگر شیریں کہے
کیوں صدا آتی نہیں کہسار سے

کیا کہوں جوہر شناسی یار کی
مجھکو مارا تیغ جوہر دار سے

بلبل شوریدہ بیتاب وست
اُس کے کوچہ کو چلی گلزار سے

ہمکناری کی ہوس تھی وقت قتل
ہم لپٹ کر رہ گئے تلوار سے

ہائے جوش بیخودی ہائے جنوں
راز الفت کہدیا اغیار سے

واہ ہوش پاس بدنامی کہ ہے
فکر اخفا محرم اسرار سے

جلد کھولو شیفتہ آغوشِ شوق
یہ صدا آئی لب سو فار سے

ترک ہوتا یار اور اغیار سے
قطع ہونا ربط گل ہے خار سے

کام جوئی اور دعوے عشق کا
یار ہی یاں مدعا ہی یار سے

ہی ضرورت غیر کو واقع میں آج
آپ ٹھہراتے ہیں کیوں اصرار سے

آہ وزاری سے شکوہ حسن ہے
جیسے رونق باغ کی اشجار سے

جز دل شوریدہ لذّت کون اُٹھائے
عندلیب مست کی گفتار سے

دیکھ لیں گے ہم بھی گر اغیار کو
آپنے جھانکا سر دیوار سے

فصد کے قابل دلِ بیمار ہے
چارہ جو ہے نرگس بیمار سے

اپنا ٹوٹا گھر بہت مرغوب ہی
بارگاہِ ثابت و سیار سے

ویدنی ہی وہ جگہ جو ہی الگ
سات جنگل اور نو بازار سے

شیوہ ہاے برق خاطف شیفتہ
جلوہ گر ہیں اُس کے شوخ اطوار سے

کچھ بات راز کی ہی ذرا پاس آئیے
جی میں ہی آج خوب عدو کو بنائیے

بلبل خزاں میں آتشِ دل یوں بجھائیے
گُل کر کے شمع شمع کے قرباں جائیے

روتا ہوا ہی اشک ندامت کہ غیر کے وہ
کہتے ہیں اور بھی کوئی دریا بہائیے

بوسہ ہنسی ہنسی میں جو کل لے لیا تو پھر
کہنے لگے بھلا مجھیں کیا منہ لگائیے

سو بار انجمن سے اٹھاؤ ہم آئیں گے
اب ہٹ گئی کہ ناز تمہارے اٹھائیے

آتا ہی رحم نازکیِ گوشِ یار پر
اے وائے کیونکہ حال دل اسکو سنائیے

تدبیر صلح خوب ہی بن آئے بات تو
جی میں ہی آج غیر سے آنکھیں لڑائیے

گذرا ہیں اعتماد محبت کے فخر سے
مجھکو رقیب سمجھئے پر آپ آئیے

ایک نیم ناز بس ہی ہمارے ہلاک کو
کچھ بھی نہ کیجے دیکھ کے بس مسکرائیے

دشنام و نغمہ اسمیں ہمیں بحث کچھ نہیں
سنتے ہیں آج آپ ہمیں کچھ سنائیے

واعظ کے قول خوب ہیں رند ورے فعل خوب
وہ اس سے سیکھ لیجے یہ اسکو سکھائیے

بے محو نقش کہنہ کہاں جاے نقش نو
مشق دل سے نقش تمنا مٹائیے

ہر چند سیر کی ہی بہت تم نے شیفتہ
پر میکدہ میں بھی کبھی تشریف لائیے

لب میں اگر نہیں تو ہمارے سخن میں ہی
جو خاصیت کہ اُس لب اعجاز فن میں ہی

یا مرسل الریاح ادھر کو بھی بھیجدے
وہ بوئے خوش کہ جیب نسیم یمن میں ہی

دیتے ہیں چشم روشنی چشم روشنی
آمد نسیم مصر کی بیت الحزن میں ہی

نیرنگِ نوبہار ہے عشوہ طلسم کا
کیا عندلیب دامِ فریبِ چمن میں ہے

پیرانِ کہنہ بن گئے اطفالِ خورد سال
کیفیتِ عجب مرے دیوانہ پن میں ہے

الماس لیکے آئیں گے دیتے ہیں یہ نوید
لذت نئی کچھ آج جو زخمِ کہن میں ہے

وہ آہوئے رمیدہ کہ ہم جس کے صید ہیں
نے وادیِ تتار نہ دشتِ ختن میں ہے

شیوہ تمام غنچۂ نشگفتہ کا ہنوز
بندِ قبائے شاہدِ گل پیرہن میں ہے

کیا غیر پر بھی شعلۂ برقِ غضب پڑا
ٹھنڈک سی آج کچھ مرے دل کی جلن میں ہے

کیا کیا پھنسا رہی ہے ہمیں دامِ رشک میں
آشفتگی کہ زلف شکن در شکن میں ہے

شیریں سے بہرہ ور نہوا ایسے شوق پر
کیا سطوتِ رقیب دلِ کوہکن میں ہے

خلوت میں شیفتہ سے کوئی ملکے کیا کرے
وہ شخص انجمن میں بھی اور انجمن میں ہے

ہوا نہ مدِ نظر چشمِ یار کے بدلے
ہزار رنگ یہاں روزگار کے بدلے

صبا کو بھائے جو محفل کی تیری رنگینی
چمن کو داغ دیئے لالہ زار کے بدلے

کیا ارادہ اگر سیرِ باغ کا تم نے
قیامت آئے گی ابرِ بہار کے بدلے

خلافِ عہد ہی شیوہ تو کیا قباحت ہے
ستم کا عہد وفا کی قرار کے بدلے

عجب ہی شہر ہے دلی بھی شیفتہ ہرگز

میں روم و شام نہ لوں اس دیار کے بدلے

میری خوشی کا اُن کو نہایت خیال ہے — کچھ ان دنوں میں غیر سے شاید ملال ہے
لے کچھ سنے ہیں رشک سے دل پر ہزار داغ — نام خدا یہ گرمیِ حسن و جمال ہے
نے تابِ وصلِ غیر نہ نیروے منعِ جبر — تقدیر سے معارضہ کی کیا مجال ہے
قصدِ جواب ہو بھی تو کیا خاک دیں جواب — بے صرفہ متصل یہ ہجومِ سوال ہے
کچھ میرے عشق میں تمھیں شک ہو تو سامنے — دیوان خواجہ حافظ فرخندہ فال ہے
ہم نے کیا جہاں سے گذر کر جہاں مقام — وہاں وسعتِ سپہر و زمیں پائمال ہے
ہے شانہ کش جو زلفِ پریشاں میں بوالہوس — فکرِ وصالِ عاشقِ آشفتہ حال ہے
ممکن نہیں کہ برقِ نگہ غیر پر پڑے — جز طور اور پہ ہو تجلّی محال ہے
کچھ آج شیفتہ ہے بہت مضطرب مگر — جانے کا اس کے غیر کے گھر احتمال ہے

ایامِ ہجر میں جو اجل کا خیال ہے — بیشک دماغ میں اثرِ اختلال ہے
خوش تھے کہ خونبہا ہے نظر یہ خبر نہ تھی — کیشِ جفا میں خون ہمارا حلال ہے
اُن کے خلافِ وعدے سے میں شرمسار ہوں — کیونکر کہوں کہ مجھ سے اُنھیں انفعال ہے
کیا نسترن ہو تم کہ یہ پیاری شمیم ہے — کیا برگِ گل ہو تم کہ یہ زیبا جمال ہے
ساقی کو میکدے میں سرِ ناو نوش ہے — صوفی کو خانقہ میں سرِ وجد و حال ہے

عاشق کو اضطراب ہی عجز و نیاز ہے — معشوق کو غرور ہی غنج و دلال ہی

منظور ہی حکیم کو ہر شے کی معرفت — حالانکہ اپنی معرفت اُس کو محال ہی

ہر کام فلسفی کا سفاہت کے ساتھ ہی — ہر بات منطقی کے مراؤ جدال ہی

اربابِ حکمتِ نظری کو عمل نہیں — اہل کلام کو ہوس قیل و قال ہی

جن کو کہ دستگاہ ہی فن نجوم میں — عمر اُنکی صرف زائچہ ماہ و سال ہی

رہتے ہیں بعض درپے اسراف رات دن — بعضوں کو روز و شب سرِ توفیر مال ہی

بعضوں کو ہی مذاق میں فخرِ نسب لذیذ — بعضوں کو ذوقِ دعوی فضل و کمال ہی

مفلس کو فکر ہی کہ کسی ڈھب سے کچھ ملے — منعم غریق لجۂ بیم زوال ہی

جو ہیں حریص سیرِ چمن اُن کو بزم میں — ذکرِ شجر کبھی کبھی فکرِ نہال ہی

جی میں کسی کی خواہشِ آرایشِ لباس — دل میں کسی کے حسرتِ جاہ و جلال ہی

کوئی طلب میں اشہبِ گلگوں نظیر کی — کوئی اسیرِ شوق شکارِ غزال ہی

کوئی فدائے قامتِ آفت خرام ہی — کوئی خرابِ نرگسِ جادو مثال ہی

ناحق کسیکو شکر کسی کو شکایتیں — بیوجہ کوئی خوش ہی کسیکو ملال ہی

کس واسطے ہم آئے ہیں دنیا میں شیفتہ — اسکا جو دیکھیے تو بہت کم خیال ہی

تری خوبیاں غیر کیا جانتا ہے
تو جیسا ہے بس جی مرا جانتا ہے

ہوا اس کیوں دل کو اول نظر میں
کہ وہ مجھکو زود آشنا جانتا ہے

تظلم سے ہوتی ہے بیداد افزوں
شکایت کو شکر جفا جانتا ہے

گرفتاری غیر کا ذکر مجھ سے
مجھے کسقدر مبتلا جانتا ہے

مجھے افعی زلف نے کاٹ کھایا
کوئی شخص اسکی دوا جانتا ہے

وہ گل میرے رونے سے ہوتا ہی خرم
کہ اپنا وہ نشو و نما جانتا ہے

ستمگر کہے سے برا مانتا کیوں
ستم کو اگر وہ بھلا جانتا ہے

کبھی غیر پہ جور ہوتے نہ دیکھا
مجھی کو بس اک آزما جانتا ہے

یہ دھوکا نہ کھانا کہ کم عمر ہی وہ
ابھی شیوہ ناز کیا جانتا ہے

تامل نہ کر قتل میں میرے ہرگز
کہ عاشق کا تو خونبہا جانتا ہے

حذر مے سے واجب ہوا شیفتہ اب
مجھے یار بھی پارسا جانتا ہی

فقط یار جور و جفا جانتا ہے
یہی جانتا ہے تو کیا جانتا ہے

مجھے بیگانہ جانے نہ تجھے خلق کیا غم
اگر آشنا آشنا جانتا ہے

نہ ممنون دل طرۂ مشکبو کا
نہ الطاف باد صبا جانتا ہے

ہزاروں گئے جان سے اک ادا میں
عجب شیوہ دلربا جانتا ہے

مری چشمِ پُرنم کا حال اُس سے پوچھو
کہ وہ خوب یہ ماجرا جانتا ہے

شکایت ہمیں شکوہ سے شکر سے ہے
کہ اب وہ جفا کو وفا جانتا ہے

اُسے کنجِ خلوت کی کیا ہی ضرورت
جو محفل کو خلوت سرا جانتا ہے

بہر صورت آئینہ بھی مغتنم ہے
کچھ آئینِ اہلِ صفا جانتا ہے

عدو کی رعایت سے مجھکو ستانا
وہ انصاف کا مقتضے جانتا ہے

ہمیں شیفتہ کی نصیحت سے حاصل
کہ وہ آپ ہم سے سوا جانتا ہے

دیگر

سمجھ لے اور کوئی دن رقیب خوار مجھے
عزیز رکھتے ہیں اب اُنکے رازدار مجھے

شرابِ عشق ہی کیا دہشتِ خمار مجھے
جنونِ شوق ہی کیا حاجتِ بہار مجھے

اگر کہو کہ تو عاشق نہیں میں سچ جانوں
تمہاری بات کا ایسا ہی اعتبار مجھے

حصول نام سے دلکو اگر نہو آرام
بہت عزیز نہیں جانِ بیقرار مجھے

عدو کو رشک ہی ایسا کہ مفت میں گویا
ملی ہی جاے نفس برق شعلہ بار مجھے

عجیب عشق میں تہذیب نفس ہوتی ہے
نہ شوقِ باغ رہا نے سر شکار مجھے

ملا عدو کو مے و نغمہ برق و باراں سے
صبا سے خاک ملی اور گل سے خار مجھے

خلاف وعدہ مسلّم وفائے وعدہ غلط
غرض کچھ اور نہیں غیر انتظار مجھے

خجل ہوں آپ میں بیوقت اپنے آنے سے
تم اور کرتے ہو ہنس ہنس کے شرمسار مجھے

وہی رقیب سے صحبت وہی قدح خواری
کیا ہی آپ نے ناحق امیدوار مجھے

جفا کو ترک کرو تم وفا کو میں چھوڑوں
کچھ اشتہار تمھیں ہو کچھ اشتہار مجھے

رہی سرایر مکتومہ دل ہی میں افسوس
جہان میں نہ ملا کوئی رازدار مجھے

تمام شورش و سرتاقدم شکایت ہوں
نعوذ باللہ اگر وہاں ملے گزار مجھے

ہلاک جلوۂ زیبا خراب بادۂ ناب
تمہارے شیفتہ معلوم ہیں شعار مجھے

دیگر

ابھی کہوں تو کریں لوگ شرمسار مجھے
کہ کس کے وعدے پر اتنا ہی انتظار مجھے

ہزار شکر کہ اس کی گلی میں چھوڑ گئی
نسیم جان کے اک ناتواں غبار مجھے

یہی گمان یہی رشک ہے اگر تو کبھی
نہ کوئی دوست ملیگا نہ کوئی یار مجھے

جفائے شحنہ ہے منظور پر نہیں منظور
خلاف شیوۂ رندانِ بادہ خوار مجھے

عدو کے حق میں پھر آیا وہی زمانۂ عیش
کھلے یہیں سے یہاں غیر تار مجھے

جو بادشاہ بلائے تو میں نہیں جاتا
کہ ان دنوں میں کسیکا ہی انتظار مجھے

جو شورشیں نہ مچاتا اسیر کیوں ہوتا
خراب تو نے کیا جلوۂ بہار مجھے

عدو کے ساتھ بھی آخر جفا ہوئی آغاز
کسی طرح بھی نہ رکھا امیدوار مجھے

رفیق ہیں متردد رقیب ہیں فارغ
عزیز رکھتی ہی وہ چشم فتنہ بار مجھے

قفس میں کرتی ہی تحریک بال جنبانی
نوائے دلکش مرغانِ شاخسار مجھے

لیا ہی تھا نگہ پرفسوں نے دل لیکن
کیا ادائے تغافل نے ہوشیار مجھے

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

بڑے فساد اُٹھیں شیفتہ خدا نہ کرے
کہ اُنکی بزم میں ہو دخل واختیار مجھے

سحر گئی جو وہ گلگشت گلستاں کے لیے
صبا تپش میں ہی گلہائے بیخزاں کے لیے

اُنھیں ہی ہم سے محبت عمل کی کیا حاجت
اگر کہو تو کروں اُن کے پاسباں کے لیے

متاعِ بیش بہا شہر عشق میں ہی وفا
یہ آہ و نالہ ہی آرائشِ دکاں کے لیے

وہ اپنے باغ میں ہمکو ضرور رکھے گا
جو بلبلوں کو نہ دے حکم آشیاں کے لیے

مقربانِ ملک کا ہی آسماں پہ دماغ
خزانہ چاہیے قارون کا ارمغاں کے لیے

سحر کے ساتھ ہی آتے ہیں کوئے جاناں میں
عدو ہنسی کے لیے اور ہم فغاں کے لیے

کرم کرم نہ سمجھ گر کسی غرض سے ہو
ستم ستم نہ سمجھ گر ہو امتحاں کے لیے

جو بوستاں میں گیا میں ہلاکِ قامتِ یار
قیامت آئے گی شمشادِ بوستاں کے لیے

ہر ایک سے ہوئی قسمت بقدرِ استعداد
خرد ہی پیر کے اور زور ہی جواں کے لیے

غرض یہ ہے کہ مکر جائیں گر پڑے حاجت
کہ مُہر نامہ پہ کرتے نہیں نشاں کے لیے

کب آپ آئے کہ طاقت نہیں اشارے کی
کب آپ آئے کہ جنبش نہیں زباں کے لیے

نہ میکدہ میں ترانہ نہ خانقہ میں سماع
دعا کے خیر ہی اُس آفتِ جہاں کے لیے

متاعِ دانش و دیں کی ضرور ہے تسلیم
کمال بے ادبی ہے سخن اماں کے لیے

زیاں ہے عشق میں ہم خود بھی جانتے ہیں مگر
معاملہ ہے کیا ہو اگر زیاں کے لیے

ہمارے ساتھ ہیں وہ موشگافیاں کہ نہ پوچھ
یہ نکتہ بس ہے کہ آفت ہے نکتہ داں کے لیے

اثر اگرچہ بنا بہرِ نازِ دلکشِ دوست
مگر کچھ اپنی بھی آہِ جگر فشاں کے لیے

یہ ضبطِ راز کی تعلیم شیفتہ بیجا
زبان ہمکو ملی ہے اگر بیاں کے لیے

دیگر

جو کہے دوست کو جاؤں تو پاسباں کے لیے
نہیں ہے خواب سے بہتر کچھ ارمغاں کے لیے

تمام علتِ درماندگی ہے قلتِ شوق
تپش ہوئی پر پرواز مرغِ جاں کے لیے

سُنی اکابرِ دیواں سے آخر آیۂ یاس
غلط تھی پہلی ہی کوشش خطِ اماں کے لیے